عالم اسلام کے عظیم فاتح

جلال الدین خلجی



www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسلم راہی

ایم اے

عالم اسلام کے عظیم فاتح

جلال الدین خلجی

اسلم راہی ایم اے

شمع بک ایجنسی کراچی
نوید اسکوائر
نیو اردو بازار
Ph:2773302

نام کتاب ———— جلال الدین خلجی

مصنف ———— اسلم راہی ایم اے

پرنٹر ———— واحد پرنٹر کراچی

قیمت ———— -/30 روپے

اسٹاکسٹ

یونس بک ڈپو	اردو بازار لاہور
عوامی کتاب گھر	اردو بازار لاہور
فہیم بک ڈپو	اردو بازار لاہور
اشرف بک ایجنسی	اقبال روڈ راولپنڈی
کتاب گھر	اقبال روڈ راولپنڈی
شمع بکسٹال	ریگل روڈ فیصل آباد
کتب خانہ مقبول عام	جھنگ بازار فیصل آباد
رحمٰن بک ہاؤس	اردو بازار کراچی
رشید نیوز ایجنسی	فرئیر مارکیٹ کراچی
اسلامک بک سینٹر	اردو بازار کراچی
الحبیب نیوز ایجنسی	اسٹیشن روڈ حیدر آباد

عرض ناشر

ادارہ شمع بک ایجنسی کی عرصہ دراز سے یہ کوشش تھی کہ تاریخ پر چھوٹی چھوٹی اور مختصر کتابیں شائع کی جائیں۔ جن سے بچے بوڑھے اور جوان سب ہی استفادہ حاصل کرسکیں۔ مگر مشکل یہ تھی کہ تاریخ پر قلم کس سے اٹھانے کو کہا جائے کیونکہ ہمارے ہاں تاریخ کے نام پر کچھ ایسی کتب ملتی ہیں۔ جن میں سرے سے تاریخ نام کی کوئی چیز نہیں بس قصے کہانیاں یا رومانس بھر دیا گیا ہے۔

ادارہ کی نظر مشہور ومعروف تاریخ داں اسلم راہی صاحب پر پڑی اور ہم نے ان سے رابطہ کیا اور مشہور ومعروف مسلمان وغیر مسلم تاریخی شخصیات پر قلم اٹھانے کو کہا۔ وہ جلد ہی راضی ہو گئے۔ اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ ہم نے قوم کو تاریخ کا اصل چہرہ دکھایا ہے۔ اور تاریخ کو تاریخ ہی پیش کیا ہے۔ نا کہ من گھڑت قصے کہانیاں۔

ہمارے ادارے نے تقریباً 100 کے قریب تاریخی شخصیات پر کتب شائع کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ ان میں مشہور ومعروف جلیل القدر سپہ سالار، بادشاہ، جرنیل، فاتح وغیرہ شامل ہیں اور ایسی غیر مسلم شخصیات کو بھی لیا گیا ہے۔ جن کے بغیر تاریخ نامکمل ہے۔ ان میں کچھ شخصیات ایسی بھی ہیں جنہیں پہلی بار کتابی صورت میں شائع کرنے کا اعزاز ہمارے ادارے کو حاصل ہو رہا ہے۔ مشہور ومعروف شخصیات مثلاً صلاح الدین ایوبی،

حیدر علی، ٹیپو سلطان، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، نور الدین زنگی، محمود غزنوی، موسیٰ بن نصیر، الپ ارسلان، ملک شاہ سلجوقی، عماد الدین زنگی، خیر الدین باربروسا وغیرہ اس کے علاوہ چنگیز خان، ہلاکو خان، ہیلن آف ٹرائے، نپولین بوناپارٹ، سکندر اعظم، ہٹلر وغیرہ جیسی شخصیات کو بھی شامل کیا ہے۔ ہماری اس تاریخی سلسلے کی فہرست کافی طویل ہے۔

ہمارے ادارے نے وطن عزیز کے طالبعلموں کو تاریخ کی طرف لانے کی جو کوشش کی ہے اس میں ہمیں آپ کے تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ اور ساتھ ہی ہم حکومت پاکستان سے بھی یہ گزارش کریں گے کہ وہ اس تاریخی سلسلے کو اسکولوں اور کالجوں کی سطح پر **سلیبس** کے طور پر شامل کرے۔

اسلم راہی صاحب کے خیالات سے آپ اختلاف تو کر سکتے ہیں مگر انکار نہیں۔ اختلاف کرنا ہر آدمی کا حق ہے اور ضروری نہیں کہ ہمارا ادارہ بھی مصنف کے تمام خیالات سے متفق ہو۔

مگر مصنف نے جس طرح تاریخ کو کھنگال کر مختصر صفحات میں پیش کیا ہے۔ اس کے لیے یہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ہم تاریخ سے منہ نہیں موڑ سکتے ہمیں تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ خدا کرے کہ ہم میں پھر صلاح الدین ایوبی، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، حیدر علی، ٹیپو سلطان اور نور الدین زنگی جیسی شخصیات جنم لیں۔ جو قومیں تاریخ سے سبق حاصل نہیں کرتیں، جو قومیں تاریخ کو پیچھے چھوڑ دیتی ہیں، جو قومیں تاریخ کو گزرا ہوا کل کہہ کر رد کر دیتی ہیں۔ وہ قومیں کبھی ترقی نہیں کرتیں۔ تباہی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ آیئے ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خالد علی

وہ ایک نیک طبیعت، خوش اخلاق اور پسندیدہ عادات کا حکمران تھا۔ بادشاہ کی حیثیت سے وہ قدر شناسی اور حق گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ ایک بار اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس نے غیر مسلم منگولوں کے ساتھ بارہا جنگیں کی ہیں انہیں کئی بار شکستوں سے دوچار کیا اور مسلمانوں کو ان کے ظلم اور تعدی سے بچایا اس لئے اگر مساجد کے امام منبر پر اسے المجاہد فی سبیل اللہ کے لقب سے یاد کریں تو یہ کچھ نامناسب نہ ہوگا۔ اس خیال کے پیش نظر ایک روز اس نے اپنی بیوی سے کہا۔

''جب کسی مبارک باد کے موقع پر سلطنت کے علماء اور قاضی قصر میں حاضر ہوں تو تم ان کے پاس کسی آدمی کو بھیج کر کہنا کہ جمعہ کے خطبوں میں وہ مجھے المجاہد فی سبیل اللہ کے لقب سے یاد کریں۔''

اتفاق سے ان دنوں ایک شادی کے معاملے میں سب علماء، قاضی اور مفتی صاحبان قصر میں حاضر ہوئے اسے مبارکباد دی۔ اس موقع پر اس کی بیوی نے اس کی ہدایت کے مطابق ان علماء سے متذکرہ بالا درخواست کی کہ اسے خطبوں میں المجاہد فی سبیل اللہ کہہ کر پکارا جائے۔

اس کی بیوی کا یہ پیغام سن کر تمام قاضیوں اور علماء نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور کہنے لگے۔

''اسے المجاہد فی سبیل اللہ کے نام سے خطبوں میں یاد کرنا جائز ہے۔''

آخر کار مہینے کی پہلی تاریخ کو جب یہ قاضی اور علماء ایک جماعت کی صورت

میں اس کی خدمت میں دست بوسی کے لئے حاضر ہوئے تو علماء کے سربراہ قاضی فخر الدین نے اس سے درخواست کی۔

''ہم تمام علماء، قاضیوں اور مفتیوں کی یہ خواہش ہے کہ کیونکہ آپ نے بارہا غیر مسلموں کے ساتھ جنگ کی ہے اس لئے آپ کے نام کے ساتھ خطبوں میں المجاہد فی سبیل اللہ کا اضافہ کر دیا جائے۔''

یہ سن کر وہ جو اس وقت شہنشاہ تھا زار و قطار رونے لگا اور ان علماء اور قاضیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اپنی بیوی کو میں نے اس طرف متوجہ کیا تھا اور اس نے میرے ہی ایما پر آپ لوگوں سے یہ درخواست کی تھی پھر اپنی بیوی سے اس موضوع پر بات چیت کرنے کے بعد میں نے اپنے اس ارادے پر تنہائی میں غور و فکر کیا تو مجھے اپنے ان الفاظ پر بڑی ندامت ہوئی۔ میں نے سوچا کہ میں اپنے آپ کو ہرگز ہرگز اس لقب کا مستحق نہیں سمجھتا۔ میں نے اب تک جتنی بھی جنگیں کی ہیں ان میں کوئی بھی جنگ ایسی نہیں تھی جو خداوند قدوس کی رضا، شوقِ شہادت یا کلمہ اسلام کو بلند کرنے کے لئے کی گئی ہو۔ میں نے ہر لڑائی اس مقصد کے پیش نظر لڑی کہ میری شہرت میں اضافہ ہو اور مجھ پر زیادہ سے زیادہ اعتبار اور اعتماد کیا جائے۔''

اس موقع پر علماء کرام اور قاضیوں نے ہر چند اس کے شکوک رفع کرنے کی کوشش کی اور المجاہد فی سبیل اللہ کا لقب اس کے لئے استعمال کرنے کی اجازت طلب کی لیکن اس نے ان کی ایک نہ مانی اور کہنے لگا۔ ''میں اس لقب کے قابل نہیں ہوں اور خطبوں میں میرے لئے یہ لقب ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔''

اپنے آپ کو اس لقب کے قابل نہ سمجھنے والا ہندوستان کا سلطان جلال الدین خلجی تھا جو ہجری چھ سو اٹھاسی میں ہندوستان کا بادشاہ بنا۔

خلجیوں کی اصلیت سے متعلق مؤرخین کی مختلف رائے ہیں۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ خلجیوں کا طبقہ چنگیز خان کے داماد قالج خان کی نسل سے ہے۔ ان مؤرخین کا کہنا ہے کہ قالج خان اپنی بیوی سے جو چنگیز خان کی بیٹی تھی کسی وجہ سے ناراض ہو گیا لیکن اس نے چنگیز خان کے خوف کی وجہ سے اپنی ناراضگیوں کو ظاہر نہ کیا اس لئے وہ بظاہر تو ہر طرح سے اپنی بیوی کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا رہا لیکن باطن میں اپنے لئے کسی اور ہی جائے پناہ کو ڈھونڈتا رہا۔

لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے یہاں تک کہ وہ زمانہ آ گیا جب چنگیز خان دریائے سندھ کے کنارے سلطان جلال الدین شاہ کی تباہی میں مصروف ہوا۔ ایران اور دوسرے علاقوں کی مہمات سے فارغ ہو کر اپنے وطن واپس چلا گیا۔

قالج خان نے چنگیز خان کی غیر موجودگی میں غور اور جرجستان کے پہاڑی علاقوں کا بغور جائزہ لیا اور اس علاقے کی مضبوطی اور استحکام سے پوری طرح واقفیت حاصل کر لی۔ ایک روز موقع پا کر قالج خان اپنی بیوی بچوں اور اہل قبیلہ کو جو تعداد میں تقریباً تیس ہزار کے لگ بھگ تھے ساتھ لے کر چنگیز خان سے جدا ہوا اور اس پہاڑی علاقے کی طرف فرار ہو گیا اور وہاں مستقل قیام اختیار کر لیا۔

کچھ ہی دنوں میں قالج خان نے بہت قوت حاصل کر لی چنگیز خان کے انتقال کے بعد اس کے وارثوں نے قالج خان کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قالج خان کی اولاد اور اس کے قبیلے کی قوت اور طاقت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔

مؤرخین کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ چنگیز خان سے پہلے بھی خلجی موجود تھے غوری فرمارواؤں اور اس کے بعد غلاموں کے دور حکومت میں خلجی گروہ در گروہ ہندوستان آ کر شاہی ملازمتیں اختیار کرنے لگے۔ ان خلجیوں میں سے بعض افراد نے بہت اقتدار اور رسوخ حاصل کیا اور وہ شاہی امراء اور ارا کین سلطنت کے معزز عہدوں تک پہنچے۔ ان خلجی امراء میں سلطان جلال الدین فیروز شاہ اور اس کے بھائی محمود خلجی کا باپ قالج خان بھی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ قالج خان کی نسبت سے پہلے انہیں قالجی کہہ کر پکارا جاتا تھا لیکن کثرت استعمال سے یہی لفظ قالجی سے بگڑ کر خلجی بن گیا۔

مؤرخین کا تیسرا گروہ کہتا ہے کہ حضرت نوح کے بیٹے یافت کے بیٹے ترک بن یافت کے گیارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام خلج تھا اور خلجی اسی کی اولاد کو کہا جاتا ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے اگر خلجی چنگیز خان کے داماد قالج خان کی نسل سے ہوتے تو پھر ان کا وجود چنگیز خان کے بعد ثابت ہونا چاہیے جو غلط ہے کیونکہ معتبر تاریخوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خان سے بہت پہلے سلطان محمود غزنوی کے بہت سے امراء خلجی تھے اور یہ بات مسلم ہے کہ سلطان محمود غزنوی چنگیز خان سے پہلے گزرا ہے۔ مؤرخین کہتے ہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ قالج خان خود بھی خلجی خاندان سے تعلق رکھتا ہو اور سلطان جلال الدین اور اس کے بھائی سلطان محمود خلجی اس کی نسل سے ہوں۔

سلطان جلال الدین خلجی کے تخت وتاج کے مالک بننے سے پہلے ہندوستان میں سلطان شہاب الدین غوری کے غلاموں کی حکومت تھی جسے خاندان غلاماں کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ خاندان غلاماں کے نامور سلطان غیاث الدین بلبن کی وفات کے بعد اس کے پوتے کیقباد کو ہندوستان کے تخت وتاج کا مالک بنایا گیا۔

یہ کیقباد تین سال ہی حکومت کرنے پایا تھا کہ وہ لقوہ اور فالج کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔ آخر کار اس کا مرض روز بروز بڑھتا چلا گیا اور اس لقوے اور فالج نے اسے بستر پر گرا دیا۔

فالج ہونے کی وجہ سے کیقباد بالکل ہی معذور ہو گیا امور سلطنت چلانے کے قابل بھی نہ رہا اور سلطنت کے کاموں میں برائے نام ہی حصہ لیا کرتا تھا۔

بادشاہ کی یہ حالت دیکھ کر سلطنت کے امراء میں سے ہر کوئی حکمرانی کے خواب دیکھنے لگا۔ ہر امیر کے سر میں حکمرانی کا سودا سوار ہو گیا اس صورت حال کے پیش نظر چند معزز اراکین حکومت نے یہی مناسب سمجھا کہ فالج زدہ بادشاہ کیقباد کے بیٹے کو ہندوستان کا بادشاہ بنا دیا جائے جس کا نام کیومرث تھا اور اس کی عمر اس وقت تین سال تھی۔ ان امراء کا خیال تھا کہ کیومرث کو سلطان شمس الدین کا لقب دے کر تخت نشین کر دیا جائے۔

کیقباد کی بیماری کی وجہ سے کیقباد کے جس قدر امراء اور سالار تھے وہ تخت نشینی کی وجہ سے دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ جلال الدین خلجی کا حامی تھا اور یہ گروہ چاہتا تھا کہ جلال الدین خلجی کو ہندوستان کا سلطان بنایا جائے۔ دوسرا گروہ ایک دوسرے ترک امیر ایتمر کی سربراہی میں تھا اور یہ گروہ اس کو کو سلطان شمس الدین کا خطاب دے کر تخت نشین کرنا چاہتا تھا۔ امراء کا جو گروہ جلال الدین خلجی کا حامی تھا اس نے اس وقت بہادر پور میں قیام کر رکھا تھا اور جو گروہ دوسرے ترک امیر ایتمر کا حامی تھا انہوں نے اس وقت چبوترہ ناصرہ کے قریب میدان میں قیام کیا ہوا تھا۔

جبکہ ہندوستان کا سلطان کیقباد بیماری کی حالت میں مجبور اور لاچار پڑا ہوا تھا۔ شاہی طبیب اس کے ساتھ رہتے تھے اور اس کے علاج میں مصروف تھے۔

جب کبھی بھی کسی سلطنت میں اس قسم کے حالات پیش آتے ہیں کہ بادشاہ بیمار

ہو جاتا ہے، امور سلطنت کے کام نبٹانے کے قابل نہیں رہتا تو ملک کے اندر امن امان کو ضرور نقصان پہنچتا ہے اور طرح طرح کے فتنے فساد پیدا ہوتے ہیں اور آپس کا اتفاق اور اعتماد ضرور خراب ہو کر رہ جاتا ہے۔

یہاں بھی کیقباد کی بیماری کی وجہ سے طرح طرح کے جھگڑے پیدا ہو گئے تھے۔ ہر گروہ دوسرے کا شدید مخالف نظر آنے لگا۔ کچھ امراء تو اس کوشش میں نظر آنے لگے کہ کیومرث کو جو کہ ان کے قبضے میں ہے اپنا بادشاہ تسلیم کر کے جلال الدین اور دوسرے خلجی امراء کو ہلاک کر دیا جائے اور خود حکومت پر قبضہ حاصل کر لیا جائے۔

اس ارادے کے پیش نظر ترکوں کے اس گروہ نے خلجی امیروں اور سرداروں کی ایک فہرست تیار کی اور سر فہرست جلال الدین خلجی کا نام لکھا گیا اور ارادہ کیا گیا کہ ان سارے خلجی امراء کو قتل کر دیا جائے۔ جلال الدین خلجی جس نے اس وقت اپنے حامیوں کے ساتھ بہادر پور میں قیام کر رکھا تھا اسے جب مخالف گروہ کے اس ارادے کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے تمام ہم قوم امراء اور سرداروں کو اکٹھا کر کے انہیں صورت حال سے آگاہ کیا اور اپنا ہمراز بنا لیا۔

انہی دنوں جلال الدین خلجی کے مخالف گروہ کا سربراہ ایتمر، جلال الدین کے پاس بہادر پور اس ارادے سے گیا کہ اسے چبوترہ ناصرہ تک آنے کی دعوت دی جائے اور جب وہ یہ دعوت قبول کر کے چبوترہ ناصرہ پہنچے تو اسے گرفتار کر کے اس کا کام تمام کر دیا جائے۔

جلال الدین کو بھی ایتمر کے ان ارادوں کی خبر ہو گئی تھی لہٰذا جس وقت ایتمر بہادر پور میں جلال الدین کے پاس پہنچا تو جلال الدین کے حامیوں نے غصے اور غضب میں آ کر اس ترک امیر کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس کے بعد جلال

الدین کے حامی حرکت میں آ گئے۔

جلال الدین کے بیٹے جو اپنی شجاعت اور دلیری کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھے، لشکر لے کر دوسرے گروہ کی طرف بڑھے۔ دونوں گروہوں کے درمیان ٹکراؤ ہوا۔ اس وقت دوسرے گروہ کے پاس متوقع حکمران تین سالہ کیومرث بھی قیام کیے ہوئے تھا۔ جلال الدین خلجی کے لشکر نے دوسرے گروہ پر حملہ آور ہو کر بہت سوں کو قتل کیا۔ جس خیمے میں کیومرث قیام کیے ہوئے تھا اس خیمے کا پردہ چاک کر کے کیومرث اور اس کے ایک ہردل عزیز امیر فخر الدین کوتوال کے بیٹوں کو بھی حراست میں لے لیا اور ان سب کو گرفتار کر کے بہادر پور میں جلال الدین خلجی کے پاس لے گئے۔

دوسرے گروہ کے مسلح جوانوں نے ان کا پیچھا کیا لیکن جلال الدین کے بیٹوں اور سالاروں نے راستے ہی میں کیومرث اور اس کے ہمنوا امراء کا خاتمہ کر دیا۔ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا اور خود بہادر پور میں جلال الدین کے پاس پہنچ گئے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دہلی کے اکثر باشندے خلجیوں کے اقتدار کو پسند نہ کرتے تھے لیکن دہلی کے امراء اور سالار جلال الدین خلجی کے حق میں تھے اس بناء پر اہل دہلی کا ایک بہت بڑا گروہ کیومرث کی مدد کے لئے خلجیوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔ یہ لوگ دروازے پر آ کر جمع ہو گئے لیکن انہیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی اور انہیں منتشر کر دیا گیا۔

اس کے بعد دہلی کے امراء کے علاوہ دیگر امراء کی ایک بہت بڑی تعداد اس دن جلال الدین کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گئی جس سے جلال الدین خلجی کی طاقت اور قوت میں خوب اضافہ ہوا۔

ابھی تک کیونکہ ہندوستان کا فالج زدہ سلطان زندہ تھا۔ اس کیقباد نے اپنے دور میں کچھ لوگوں کو کسی وجہ سے قتل کروادیا تھا۔ جلال الدین خلجی نے کیقباد کے ہاتھوں قتل ہونے والے لوگوں کے بچوں کو ایک جگہ جمع کیا۔ انہیں اس بات پر اکسایا کہ وہ اپنے ماں، باپ کا بدلہ کیقباد سے لیں۔

یہ ترک بچے اس پر تیار ہو گئے اور اکٹھے ہو کر کیقباد کی طرف روانہ ہوئے جو بیماری کی وجہ سے پہلے ہی ادھ موا ہو چکا تھا اور صرف سانس کا رشتہ باقی تھا۔ ان بچوں نے کیقباد کے پاس جا کر اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر دو چار ضربیں لگائیں اس کا خاتمہ کر دیا پھر اسے دریائے جمنا میں بہادیا۔

ایسا کرنے کے بعد جلال الدین کے سامنے دو بڑی رکاوٹیں تھیں۔ ایک سلطان غیاث الدین بلبن کا بیٹا بغرا خان جو اس وقت لکھنوتی کا حاکم تھا اور وہیں قیام کیے ہوئے تھا اور دوسرا سلطان غیاث الدین بلبن کا بھتیجا ملک چھجو جو حکومت کا دعوے دار بھی تھا۔

اب جلال الدین خلجی نے سلطان کا لقب اختیار کیا اور ہندوستان کے تاج و تخت کا مالک بن گیا۔ اس نے ملک چھجو کو کڑہ کا حاکم مقرر کر کے اودھ کی طرف روانہ کر دیا۔

اس طرح پہلی بار سلطان غیاث الدین بلبن کے پوتے کیقباد کے انتقال کے بعد ہندوستان کی حکومت سلطنت غور کے ترک نژاد غلاموں کے ہاتھ سے نکل کر خلجیوں کے قبضے میں چلی گئی تھی اور ہندوستان میں خلجیوں کا پہلا سلطان جلال الدین خلجی ہوا۔



سلطان جلال الدین خلجی جب تخت نشیں ہوا اس وقت اس کی عمر ستر سال تھی۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے ظلم و تعدی سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور لطف و کرم کو اپنا شعار بنانے کا عہد کیا۔ ان صفات کو اس نے پوری طرح اپنایا اور زندگی بھر کسی کو تکلیف نہ پہنچائی۔ جلال الدین کو اہل دہلی پر پورا بھروسہ اور اعتماد نہ تھا اس لئے اس نے کیلوکھری کے مقام پر اپنا مستقر بنایا اور وہاں محل اور دوسری عمارتوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیا تھا۔

اس کے علاوہ سلطان جلال الدین نے دریائے جمنا کے کنارے ایک بڑا خوبصورت باغ بھی لگوایا اور اس باغ کے اردگرد پتھر اور چونے کی ایک فصیل بنوائی تھی۔ وہ اپنے امراء اور حمایتیوں کو ہمیشہ عمارات تعمیر کرنے کی ترغیب دیتا رہتا تھا۔ جلال الدین نے نئے دارالحکومت کیلوکھری میں مسجدوں اور بازاروں کا ایک خوبصورت سلسلہ بھی تعمیر کر کے اسے شہر نو کا نام دیا۔

اس نئے شہر اور نئی عمارات کی تعمیر کی وجہ سے دوسرے امراء اور سالار بھی اسی شہر میں آنے لگے۔ سرکردہ لوگوں نے بادشاہی محل کے آس پاس اپنے محل تعمیر کروانے

شروع کر دیئے۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دہلی کا قدیم شہر ویران ہو گیا اور شہر نو ترقی کرتا چلا گیا۔

سلطان جلال الدین نے تخت نشین ہونے کے بعد ابتدائی ایام میں ملک گیری کی طرف توجہ بھی دی اور سلطنت کے امور کی انجام دہی میں سیاست سے بھی کام لیا۔ اس نے خاندان غلاماں کے آخری نامور سلطان غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجو کو کڑہ کا حاکم مقرر کیا اور اسے اودھ کی طرف روانہ کیا۔ اپنے بھائی کو بھی خطاب دیا۔ اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو بھی خطابات سے نوازا۔ بڑے بیٹے کو اختیار الدین خان خاناں منجھلے کو ارکلی خان اور سب سے چھوٹے کو قدر خان کے خطاب دیئے۔ ان میں سے ہر ایک کو اس نے جاگیر بھی عطا کی۔

اس کے علاوہ سلطان جلال الدین نے اپنے بھائی شہاب الدین مسعود کے بیٹوں یعنی اپنے بھتیجوں کو بھی شاہی عنایات سے نوازا۔ ان میں علاؤ الدین خلجی جو بعد میں ہندوستان کا بادشاہ بنا اور اس کا بھائی الماس بیگ قابل ذکر ہیں۔ ان دونوں کی پرورش بھی سلطان جلال الدین خلجی نے کی اور علاؤ الدین کو اپنے امراء میں شامل کیا اور اس کے بھائی الماس بیگ کو بھی خطاب سے نوازا۔ اس کے علاوہ جلال الدین نے اپنے بھانجے ملک احمد حبیب کو باربک اور ایک سالار ملک خرم کو میرور کے عہدے پر سرفراز کیا۔ خواجہ خطیب کو وزیر مملکت اور فخر الدین کو کوتوال مقرر کیا۔

تخت نشینی کے بعد جب سلطان جلال الدین کے لطف و کرم اور عنایات کی عام شہرت ہوئی اور اس کی خصوصیات اور رحم دلی اس کے انعام و اکرام کا چرچا چاروں طرف ہوا تب وہ لوگوں میں ہر دل عزیز ہو گیا۔ ان حالات میں دہلی کے مشہور اور

قدیم معزز خاندان کے ارکان جو اس سے پہلے خاندان غلاماں کی ملازمت میں رہ چکے تھے اور خلجیوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو اپنی توہین سمجھتے تھے وہ بھی دہلی سے نکل کر شہر نو کی طرف گئے۔

ان سب معزز امراء نے بڑے خلوص عقیدت اور محبت کے ساتھ سلطان جلال الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کے ہمدردوں میں شامل ہو گئے۔

جب سلطان جلال الدین نے یہ دیکھا کہ ہر عام و خاص بھی اب مطمئن ہیں اور چاروں طرف امن و امان کا دور دورہ ہے تو وہ کیلوکھری کا محل چھوڑ کر قدیم دہلی میں آیا جب وہ دہلی کے بادشاہی محل کے قریب پہنچا تو اس نے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی اور دہلی کے بادشاہوں کے تخت پر رونق افروز ہوا۔ دہلی کے قدیم تخت پر بیٹھ کر جلال الدین نے لوگوں کو بلند آواز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میں سوچتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ کا شکر کس طرح ادا کروں۔ ایک وہ دن تھا جب میں اس تخت کے سامنے زمین بوس ہو کر ہاتھ باندھے کھڑا رہتا تھا اور آج خود اس تخت پر بیٹھا ہوں اور بہت سے میرے عزیز اور ہمدرد جو ہر لحاظ سے مجھ سے بہتر ہیں دست بستہ میرے سامنے کھڑے ہیں۔''

تخت شاہی پر تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد جلال الدین خلجی نے پہلے سلطان غیاث الدین بلبن کے خاص محل کا رخ کیا۔ جب وہ غیاث الدین بلبن کے محل میں اس جگہ پہنچا جہاں سلطان بیٹھا کرتا تھا تب جلال الدین خلجی اپنے گھوڑے سے اترا۔

اسے گھوڑے سے اترتے دیکھ کر اس کے ایک امیر حبیب احمد نے فوراً اسے مخاطب کر کے کہا۔ ''اب یہ محل آپ کی ملکیت ہے۔ اپنے خاص محل میں شاہی آداب کو

ملحوظ رکھنا اب آپ کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

اپنے امیر کے ان الفاظ کے جواب میں جلال الدین خلجی کہنے لگا۔

"یہ سلطان غیاث الدین بلبن کا محل ہے وہ میرا آقا تھا۔ اپنے آقائے ولی نعمت کی عزت اور حرمت کرنا ہر انسان کا فرض اولین اور فعل مستحسن ہے۔"

اس پر اس کا امیر حبیب احمد کہنے لگا۔ "اب حضور کو اسی محل میں قیام کرنا چاہیے۔" جواب میں جلال الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

"اس محل کی بنیاد سلطان غیاث الدین بلبن نے اس زمانے میں ڈالی جب میں اس کے امراء کی صف میں شامل تھا۔ اس کی تعمیر سلطان بلبن نے اپنے ذاتی روپے سے کی تھی اس لئے اس محل کے مالک غیاث الدین بلبن کے وارث ہیں نہ کہ میں ہوں۔"

اس پر وہ امیر پھر بولا کہنے لگا۔ "کسی انتظامات کے پیش نظر ایسی احتیاط کو ملحوظ رکھنا مناسب نہیں ہے۔"

جلال الدین پھر کہنے لگا۔

"میں اس مستعار زندگی کے لئے اسلامی شرح کے احکامات کی خلاف ورزی کرنا پسند نہیں کرتا۔"

اس کے بعد جلال الدین پیادہ پا اس محل میں داخل ہوا جب وہ اس محل کے ایسے مقامات پر پہنچا جہاں سلطان غیاث الدین بلبن بیٹھا کرتا تھا تو جلال الدین خلجی نے حفظ مراتب کے پیش نظر وہاں پاؤں نہ رکھا بلکہ اسی چبوترے پر بیٹھا جس پر بلبن کے زمانے میں اس کے امراء اور اراکین اس کے سامنے بیٹھا کرتے تھے۔

اس چبوترے پر بیٹھنے کے بعد جلال الدین خلجی نے اپنے ان سارے امراء، رؤسا اور سالاروں کو جو وہاں جمع ہو گئے تھے مخاطب کر کے کہا۔

"خدا ان لوگوں کو غارت کرے جنہوں نے تخت نشینی سے پہلے مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا اور میں نے اپنی جان کے خطرے کے پیش نظر اس عظیم الشان بادشاہت کے بوجھ کو اپنے ناتواں کندھوں پر لاد لیا ہے۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میرا انجام کیا ہوگا باوجود اس قدر شان و شوکت اور تزک و احتشام اور رعب داب اور امراء اور ملازمین کی کثرت کے سلطان غیاث الدین بلبن کے ساتھ اس سلطنت نے وفا نہ کی اور اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کی اولاد تباہ و برباد ہوگئی۔

میرے بعد میری اولاد کا نہ جانے کیا حشر ہوگا خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میرے بعد میرے وارث کیا کریں گے اور زمانہ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے گا کہ نہیں۔"

سلطان جلال الدین کی اس تقریر کے جواب میں وہاں جمع ہونے والے لوگوں نے تین طرح کے ردِ عمل کا اظہار کیا۔ ایک گروہ وہ تھا جو سلطان جلال الدین خلجی کی اس تقریر سے بڑا متاثر ہوا اس میں زیادہ تر دانشمند اور تجربہ کار لوگ تھے۔ وہ ایسے متاثر ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے اس کے الفاظ سن کر آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ پڑا تھا۔

دوسرا گروہ ایسے درباریوں کا تھا جو جوانی کے نشے میں سرشار اور قدرے بے باک تھے۔ انہوں نے آپس میں سرگوشیاں کر کے بادشاہ کو برا بھلا کہا۔

ایک گروہ ایسا بھی تھا جس میں زیادہ تر نوجوان طبقہ شامل تھا۔ انہوں نے اپنے

خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ایک دوسرے سے کہا۔

"جلال الدین نے آج ہی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی ہے اور آج ہی سے اپنے زوال کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے ہیں جب ابھی سے اس کا یہ عالم ہے تو اس سے بہتر حکومت کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔"

یہ تقریر کرنے کے بعد سلطان جلال الدین واپس اپنی رہائش گاہ کی طرف گیا۔ اس کے بعد اس نے دہلی میں ایک بہت عظیم الشان جشن مسرت ترتیب دیا اس جشن مسرت کے موقع پر اس نے اپنی دو انتہائی خوبصورت اور پری جمال بیٹیوں میں سے ایک کی شادی اپنے بھتیجے علاؤالدین خلجی سے کر دی اور دوسری کی شادی اپنے دوسرے بھتیجے اور علاؤالدین کے بھائی الماس بیگ کے ساتھ کر دی تھی۔



سلطان جلال الدین خلجی کی تخت نشینی کے دوسرے سال سابق اور مرحوم سلطان غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجو نے اودھ کے حاکم امین علی کی مدد اور پشت پناہی سے کڑہ میں اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کر لیا اور سلطان مغیث الدین کا لقب اختیار کر کے سارے اودھ کا خود مختار حکمران بن بیٹھا۔ ملک چھجو پر سلطان جلال الدین خلجی نے یہ مہربانی کی تھی کہ تخت نشین ہونے کے بعد اسے کڑہ کا حاکم مقرر کیا تھا اور اس کی اس مہربانی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک چھجو نے طاقت اور قوت پکڑ کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا۔

جن علاقوں کے اندر اس نے اپنی حکومت اور بادشاہت کا اعلان کیا تھا اس علاقے کے تمام امراء نے ملک چھجو کا ساتھ دیا۔ اس طرح ملک چھجو کے پاس ایک بہت بڑا اور زبردست لشکر تیار ہو گیا اور اپنے اس لشکر کو لے کر ملک چھجو سلطان جلال الدین پر حملہ آور ہونے کے لئے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

دوسری طرف جب سلطان جلال الدین خلجی کو خبر ہوئی کہ کڑہ کے حاکم ملک چھجو نے نہ صرف اس کے خلاف بغاوت اور سرکشی کر دی ہے بلکہ اس نے مغیث الدین کا لقب اختیار کر کے ہندوستان کا بادشاہ ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے تب اس سے نبٹنے کے لئے اس نے ایک لشکر اپنے بیٹے ارکلی خان کے حوالے کیا اور ملک چھجو کا مقابلہ کرنے کے لئے اسے روانہ کیا۔

اپنے بیٹے ارکلی خان کو روانہ کرنے کے بعد ایک دوسرا لشکر لے کر جلال الدین خلجی بھی دہلی سے نکلا۔ اب ارکلی خان اور اس کے باپ جلال الدین دونوں کے درمیان لگ بھگ بارہ کوس کا فاصلہ تھا۔ ارکلی خان آگے آگے اس کا باپ جلال الدین اس کے پیچھے پیش قدمی کر رہا تھا۔

ارکلی خان بڑی برق رفتاری سے آگے بڑھا اور ملک چھجو کی راہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف اپنی صفیں درست کیں اور ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئے۔ دونوں طرف کے لشکری ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے ہر کوئی اپنی کامیابی کی کوشش کرنے لگا تھا۔

اس جنگ میں جلال الدین خلجی کے بیٹے ارکلی خان اور اس کے امراء اور لشکریوں نے بڑی بہادری اور جرأت مندی کا مظاہرہ کیا۔ اس جنگ میں ارکلی خان کے ہاتھوں ملک چھجو کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور ملک چھجو شکست اٹھا کر اور بدحواس ہو کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ جلال الدین کے بیٹے ارکلی خان نے بڑی شدت سے بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب کیا۔

اس تعاقب کے دوران سب سے پہلے ارکلی خان نے ملک چھجو کے بڑے بڑے سالاروں اور امراء کو گرفتار کر لیا انہیں گرفتار کرنے کے بعد ارکلی خان نے ان قیدیوں کی گردنوں میں دوشاخے ڈال دیئے اور انہیں اونٹوں پر سوار کر کے اپنے باپ سلطان جلال الدین خلجی کی طرف روانہ کر دیا۔

کہتے ہیں جب یہ قیدی سلطان جلال الدین کے سامنے پیش کیے گئے تو اس نیک دل اور رحم دل بادشاہ نے جب ان سالاروں کی گردنوں سے دوشاخے بندھے

ہوئے دیکھے تو اس نے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں اس کے بعد بلند آواز میں کہنے لگا۔

"یہ کیا ظلم ہے، ان معزز اور صاحب حشم امراء کی یہ حالت کس نے بنائی ہے؟"

یہ کہہ کر جلال الدین خلجی نے حکم دیا کہ فوراً ان امراء کی گردنوں سے دو شاخے علیحدہ کر کے انہیں اونٹوں سے اتار دیا جائے۔ ان قیدیوں میں سے بعض ایسے امراء بھی تھے جو مرحوم سلطان غیاث الدین بلبن کے دربار میں بہت ہی معزز اور محترم ہوا کرتے تھے۔

گرفتار ہو کر قیدی بننے والے ان سارے امراء کو سلطان جلال الدین خلجی نے پہلے حمام بھجوایا۔ اس کے بعد ان کے لئے بہترین پوشاکوں کا اہتمام کیا اس کے بعد ان سب کی دعوت کی ان کے ساتھ بڑا عمدہ سلوک کیا انہیں خوب نوازا۔

سلطان جلال الدین خلجی کی ان مراعات، اس کی ان نوازشات سے وہ سارے معزز قیدی شرمندگی اور ندامت محسوس کر رہے تھے کہ کیوں انہوں نے ایسے نیک دل بادشاہ کے خلاف بغاوت کی سب کی۔ گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔

جلال الدین خلجی نے جب دیکھا کہ وہ سب شرم سار اور نادم ہیں تب مسکراتے ہوئے انہیں کہنے لگا۔

• "آپ لوگ اس قدر شرمندہ کیوں ہوتے ہیں آپ میرے ملازم تو نہیں تھے جو میں آپ کی بغاوت کو نمک حرامی سے تعبیر کروں اور آپ کو سزا دوں۔ بلکہ ایک حیثیت سے تو آپ سب لوگ قابل قدر ہیں کہ آپ لوگوں نے اپنے سابق آقا غیاث الدین بلبن کا حق نمک پوری طرح ادا کیا ہے اور اس کا ساتھ دیا جس کے تم لوگ نمک خوار تھے۔ آپ لوگوں کی یہ کوشش ہر لحاظ سے مناسب اور بجا تھی کہ بادشاہ کا

منصب سلطان غیاث الدین کے خاندان سے باہر نہ جائے لیکن اس کا کیا علاج کہ خداوند قدوس کی مرضی آپ کے ارادوں کے خلاف تھی آپ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوئے اور بادشاہت مجھ بوڑھے کے ہاتھوں میں دے دی گئی۔'' اس نے مزید کہا۔

''مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ وہی لوگ ہیں جو سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں اگر مجھ سے کبھی ہنس کر بات بھی کرلیا کرتے تھے تو میں خوشی سے دیوانہ ہوجایا کرتا تھا اور اپنے ساتھیوں سے آپ لوگوں کی اس معمولی مہربانی کو بڑے فخر سے بیان کیا کرتا تھا۔''

سارے امراء سلطان جلال الدین خلجی کے اس سلوک سے بڑے متاثر ہوئے اور آئندہ اس کے خلاف بغاوت نہ کرنے کا عہد کیا جہاں تک سلطان غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجو کا تعلق تھا تو ارکلی خان کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد وہ اپنی جان بچانے کے لئے بھاگا اور ایک زمین دار کے گھر میں پناہ لی۔

اس زمین دار نے ملک چھجو کو گرفتار کر کے جلال الدین خلجی کے پاس بھجوا دیا۔ جلال الدین خلجی ایسا رحم دل نیک سلطان تھا کہ اس نے ملک چھجو کی بڑی آؤ بھگت کی اور اسے ایک پالکی میں سوار کر کے اس کے لواحقین اور بیوی بچوں کے ساتھ ملتان کی طرف روانہ کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی سلطان جلال الدین خلجی نے ملتان کے حاکم کے نام خط لکھا۔

''ملک چھجو کو مع اس کے بال بچوں کے ایک عمدہ اور اچھے مکان میں حفاظت کے ساتھ رکھا جائے۔ اس کے لئے تمام شاہانہ سامان مہیا کیا جائے اور اس کی خاطر داری اور تواضع پوری طرح کی جائے۔''

سلطان جلال الدین خلجی کی اس رحمدلی اور نرمی سے اس کے کچھ سالار بڑے رنجیدہ ہوئے۔ جب سلطان جلال الدین نے ملک چھجو جیسے دشمن اور اس کے ساتھیوں پر طرح طرح کی عنایات کیں تو اس کے امراء دل ہی دل میں بڑے خفا ہوئے۔ پھر وہ جلال الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں حبیب احمد، سلطان جلال الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"حضور ان واجب قتل امراء پر جو مہربانیاں آپ نے فرمائی ہیں وہ جہانداری اور فرمانروائی کے دستور اور قواعد کے بالکل خلاف ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ غیاث الدین بلبن نے اپنے باغیوں کو جو سزائیں دی تھیں وہ آپ کو ابھی تک بھولی نہ ہوں گی۔ ہماری رائے ہے کہ ان باغیوں کو معاف نہ کیا جائے اور اگر ملک چھجو کی جان نہ لی جائے تو کم از کم اس کی آنکھوں میں سلائیاں ضرور پھیر کر اسے بینائی سے محروم کر دیا جائے تاکہ آنے والے دور میں وہ کوئی نئی بغاوت کھڑی نہ کرے۔ ساتھ ہی دوسروں کو بھی اس کی حالت سے عبرت حاصل ہو اور آئندہ کوئی اور اس قسم کی جرأت نہ کر سکے اس طرح ملک میں کوئی فتنہ فساد برپا نہ ہوگا۔"

اپنے اس امیر کی اس گفتگو سے جلال الدین نے اپنے سارے امراء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں نے جو کچھ کہا وہ بالکل درست ہے لیکن میں کسی مسلمان کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگنا نہیں چاہتا اس وقت میری عمر ستر برس کی ہے آج تک میں نے کسی مسلمان کی جان نہیں لی تو بھلا اس عمر میں کیسے یہ کام کروں۔

اگر میں ان کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا ہوتا اور یہ مجھے قتل کر دیتے تو قیامت کے

روزان لوگوں کو جواب دینا پڑتا نہ کہ مجھے۔ میں نے کئی سال تک سلطان غیاث الدین بلبن کا نمک کھایا ہے اب اس کے امراء اور وارثوں کو قتل کرنا مجھے زیب نہیں دیتا اور یہ فعل میری نمک حرامی کی دلیل ہوگا۔"

الغرض سلطان جلال الدین خلجی نے اپنے امراء کی گفتگو کا کوئی اثر نہ لیا اور اسی طرح کی نرم گفتگو کرتے ہوئے انہیں رخصت کر دیا اس موقع پر کچھ امراء نے سلطان جلال الدین سے یہ بھی کہا۔

"دانشمندوں نے کہا ہے کہ سلطنت اور حکومت کی بنیاد دو چیزوں پر ہے ایک نرمی اور دوسری قہر۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک میں کمی ہوتی ہے تو سلطنت زوال پذیر ہو جاتی ہے۔"

لیکن سلطان جلال الدین نے کسی کی بھی نصیحت پر عمل نہ کیا اور انہیں با عزت رخصت کر دیا۔

ملک چھجو سے نبٹنے کے بعد اور دوسرے سالاروں کی خاطر تواضع کر کے سلطان جلال الدین نے بدایوں سے دہلی کی طرف کوچ کیا۔ دہلی پہنچ کر اس نے کڑہ کا حاکم اپنے بھتیجے علاؤ الدین خلجی کو مقرر کیا اس لئے کہ اس سے پہلے ملک چھجو کڑہ کا حاکم تھا اس کی بغاوت کی وجہ سے اسے تو ملتان بھیج دیا گیا تھا لہٰذا کڑہ کے حاکم کی حیثیت سے جلال الدین خلجی کا بھتیجا علاؤ الدین خلجی کڑہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔

اس کے بعد سلطان جلال الدین نے اپنے لشکریوں کی بہتری اور بھلائی کے علاوہ ملک کی آبادی اور فصلوں کی بہتری اور کاشت کاروں کی بھلائی کی طرف بھی توجہ دی۔ اس نے کبھی غصے اور قہر سے کام نہ لیا حالانکہ یہ چیزیں ایک حکمران کا لازمہ خیال

کی جاتی ہیں۔

لیکن سلطان جلال الدین نے سلامت روی نرمی کو اپنا شعار بنایا اس کی نرمی کا یہ نتیجہ نکلا کہ چوروں اور ڈاکوؤں کو کھلی چھٹی مل گئی۔

ملک کے ہر حصے میں چوری، ڈکیتی اور لوٹ مار وغیرہ کی وارداتیں عام ہونے لگیں۔ اوّل تو مجرموں کو پکڑا ہی نہ جاتا تھا اگر کسی کو پکڑ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا جاتا تو نیک دل بادشاہ اس سے گزشتہ جرائم سے توبہ کروا کے اور آئندہ جرم نہ کرنے کا وعدہ لے کر چھوڑ دیتا تھا۔

جلال الدین خلجی کی اس نرمی کی وجہ سے خلجی امراء اس سے بہت برگشتہ اور خفا ہو گئے اور کھلے بندوں بادشاہ کو لعنت ملامت کرنے لگے۔ جب خلجی امراء کی یہ باتیں سلطان جلال الدین کے پاس پہنچیں تو وہ اس موقع پر بھی نرمی سے کام لیتے ہوئے کہنے لگا۔

"کچھ امراء کبھی کبھی زیادہ شراب پی جاتے ہیں لہٰذا نشے کے عالم میں وہ جو کچھ بکتے ہیں اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔"

ان امراء نے جب دیکھا کہ ان کی ملامت بھی بادشاہ کو سختی اور غضب سے کام لینے پر نہیں اکساتی تو وہ آپس میں سلطان جلال الدین کی معزولی کے مشورے کرنے لگے۔

ان امراء نے یہ فیصلہ کیا کہ اگرچہ سلطان جلال الدین کی بہادری اور جرأت مندی میں کوئی شک نہیں اور اس نے اپنے عہد جوانی میں منگولوں کے مقابلے میں جوان مردی، ہمت اور شجاعت کے جوہر دکھائے ہیں لیکن اب کیونکہ وہ ضعیف العمر

ہو گیا ہے اور اسے شعر کہنے اور ہنسنے اور شطرنج کھیلنے کے علاوہ کوئی کام نہیں رہ گیا، اس لئے اسے معزول کر کے ایک سالار ملک تاج الدین کوچی کو ہندوستان کا بادشاہ بنا لینا چاہیے۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد یہ سارے امراء ملک تاج الدین کوچی کی قیام گاہ میں جمع ہوئے۔ تاج الدین کوچی بھی بڑا خوش تھا کہ دہلی کے سارے سالار سلطان جلال الدین خلجی کی جگہ اسے ہندوستان کا سلطان بنانا چاہتے ہیں لہٰذا اس نے خوب دل کھول کر ان امراء کی آؤ بھگت کی شراب نوشی کا طویل دور چلا اور سب امراء اس محفل میں شراب پی کر عالم مستی میں سلطان جلال الدین خلجی کے خلاف اول فول بکنے لگے تھے۔

ایک شراب پی کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ ''جلال الدین ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ وہ ہندوستان کا بادشاہ ہو اور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں رکھے۔''

دوسرے نے کہا۔ ''میں اس جلال الدین خلجی کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔''

تیسرا یوں بکواس کرنے لگا۔ ''میں اپنی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر ڈالوں گا۔''

غرض موج مستی کی اس محفل میں شراب پی کر جلال الدین خلجی کا ہر امیر جلال الدین خلجی کے خلاف بکواس کرنے لگا۔

ان سب کی بدقسمتی کہ ان امیروں میں سے کچھ سلطان جلال الدین خلجی کے طرف دار اور جانثار بھی تھے ان میں سے ایک نے تاج الدین خلجی کوچی کے ہاں سے نکل کر شراب نوشی کی اس محفل میں جو جو باتیں ہوئی تھیں وہ ساری سلطان جلال

الدین خلجی کو پہنچا دیں۔

یہ باتیں سن کر جلال الدین اگر چہ ان امیروں کے برا بھلا کہنے سے پریشان تو نہ ہوا البتہ وہ ان امراء کے ارادوں کو جان کر بڑا فکر مند ہوا کہ یہ لوگ سلطنت کے اندر افراتفری اور تخت وتاج کے اندر اپنی مرضی کے مطابق تبدیلی اور انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں۔

یہ جاننے کے بعد سلطان جلال الدین خلجی نے قاصد بھیج کر ان سب امراء کو اپنے پاس طلب کیا جنہوں نے تاج الدین کوچی کے ہاں شراب پی کر اس کے خلاف باتیں کی تھیں۔

جب وہ سب امیر جنہوں نے ملک تاج الدین کوچی کے ہاں شراب پی کر سلطان جلال الدین کے خلاف بکواس کی تھی، سلطان جلال الدین کے سامنے آئے تو سلطان جلال الدین نے ان کا امتحان لینے کے لئے اپنی کمر سے بندھی نیام سے تلوار نکال کر ان کے سامنے رکھ دی اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں اس وقت بالکل نہتا ہوں ایک تلوار ہی میرے پاس تھی وہ میں نے تمہارے سامنے رکھ دی ہے تم دیکھ سکتے ہو اس تلوار کے علاوہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اب میں تم لوگوں سے یہ کہتا ہوں کہ تم میں سے جس شخص کو بھی اپنی بہادری، اپنی جرأت مندی، دلیری، طاقت اور قوت کا دعویٰ ہو وہ اٹھے اور میری ہی تلوار سے میری گردن کاٹ کر رکھ دے تا کہ میں یہ سمجھ سکوں کہ تم واقعی کسی کام کے آدمی ہو اور کوئی کام تمہارے ہاتھوں سے بھی انجام پا سکتا ہے۔''

سلطان جلال الدین اس انداز میں کچھ دیر تک اپنے ان امراء کو خطاب کرتا رہا

ان سے باتیں کرتا رہا اور جواب میں ان سب کے سر ندامت سے جھکے ہوئے تھے۔

جب سلطان جلال الدین ان کے خلاف باتیں کرتے ہوئے اپنی بھڑاس نکال چکا اس کا غصہ کچھ کم ہوا تو اس کا ایک امیر جس کا نام ملک نصرت تھا اور جس نے شراب نوشی کی اس محفل میں سلطان جلال الدین کے خلاف سب سے زیادہ بکواس کی تھی وہ آگے بڑھا اور سلطان جلال الدین کے نزدیک ہوا اور سلطان جلال الدین کو مخاطب کر کے مزاحیہ انداز میں کہنے لگا۔

''حضور کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ شرابی شراب کے نشے میں ہرزہ سرائی کیا ہی کرتے ہیں اگر ہم آپ جیسے آقا کو، جس نے ہمیں اپنے بیٹوں کی طرح پالا پوسا ہے، ہمارا دھیان کیا ہے، ہماری پرورش کا سامان کیا ہے، ہمیں خوب نوازا ہے، کوئی گزند پہنچائیں گے تو ایسا شفیق مالک ہمیں کہاں سے ملے گا! اگر حضور ہمارے جیسے نمک خوار بیٹوں کو سزا دیں گے تو ہم جیسے جانثار آپ کو کہاں ملیں گے۔''

ملک نصرت نے ایک طرح سے اس قسم کی گفتگو کر کے سلطان جلال الدین خلجی کا دل صاف کرنے کی کوشش کی تھی اس کے ان الفاظ کے جواب میں سلطان جلال الدین ہنسنے لگا اور اس کا سارا غصہ کافور ہو کر رہ گیا۔

اس کے بعد ان سارے امراء کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں اس بڑھاپے میں غصے اور ظلم سے کنارہ کشی اختیار کر چکا ہوں۔ میں تم لوگوں سے اچھی طرح واقف ہوں کہ تمہیں شراب نوشی اور عیش نوشی سے بالکل فرصت نہیں ہے کہ اس کے علاوہ بھی تم کوئی دوسرا کام کر سکو۔ کجا تم اور کجا شمشیر زنی یہ سب تمہارا زبانی جمع خرچ ہے۔ تم جیسے لوگوں سے صف شکنوں سے کارنامے سرزد ہونا ہی

ناممکن ہے۔ تم لوگ کیونکہ صرف اپنی جرأت مندی، دلیری، طاقت اور قوت کے دعوے زبانی کرتے ہو اور عملی طور پر کہیں بھی اس کا اظہار نہیں کرتے اور پھر شراب کے نشے میں تم کچھ زیادہ ہی اپنی طاقت اور قوت کا اظہار کرتے ہوئے بکواس کرنے لگتے ہو لہٰذا میں تمہیں معاف کرتا ہوں اور تم لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ تم لوگ سب اپنی اپنی جاگیروں پر چلے جاؤ اور جب تک میں نہ بلاؤں یہاں مت آنا اور وہیں قیام کرنا۔"
اس کے ساتھ ہی سلطان جلال الدین خلجی نے شراب پی کر اس کے خلاف واویلہ کرنے والے سارے سالاروں کو دہلی سے اپنی اپنی جاگیروں کی طرف نکال دیا تھا۔



سلطان جلال الدین خلجی بڑا نرم مزاج، رحمدل اور کسی سے انتقام لینے والا نہیں تھا۔ اس کی نرمی، اس کی صاف گوئی، اس کی رحمدلی کا یہ عالم تھا کہ جن دنوں ہندوستان کا بادشاہ غیاث الدین بلبن تھا اور اس کے عہد میں جلال الدین خلجی سلطان غیاث الدین بلبن کی حکومت میں ایک اہم عہدے پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ سمانہ کی جاگیر کا مالک بھی تھا۔

ان ہی دنوں مولانا سراج الدین جو اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے شاعر تھے سمانہ کے ایک گاؤں کے نگہہ دار تھے یعنی وہ سارا گاؤں انہی کے سپرد تھا۔ جلال الدین خلجی نے دستور اور قانون کے مطابق ان سے اس گاؤں کی مال گزاری طلب کی۔

اس طلب پر مولانا سراج الدین بہت ناراض ہوئے اور انہوں نے غیاث الدین بلبن کی مدح میں ایک مثنوی لکھی اور اس میں عمال حکومت کی سخت شکایت کی تھی اس شکایت کا اشارہ جلال الدین خلجی کی طرف تھا۔

مولانا سراج الدین کا خیال تھا کہ اس کی لکھی ہوئی مثنوی جلال الدین خلجی پڑھے گا اور اس مثنوی کا کچھ نہ کچھ اثر اس پر ضرور ہوگا۔ لیکن جلال الدین خلجی کو ان دنوں حکومت کے کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے مثنوی پڑھنے کا موقع نہ ملا۔ اس پر مولانا سراج الدین نے ایک دوسری مثنوی جلال الدین کی ہجو اور بدتعریفی میں لکھی اور اس مثنوی کا نام خلجی نامہ رکھا۔

جلال الدین نے اس مثنوی کو پڑھا جب مولانا سراج الدین کو پتا چلا کہ جو

مثنوی اس نے جلال الدین خلجی کے خلاف لکھی تھی وہ اس نے پڑھ لی ہے لہٰذا سراج الدین خوفزدہ ہوا اور جلال الدین کے خوف کی وجہ سے وہ سمانہ کی رہائش ترک کر کے کسی دوسری جگہ چلا گیا۔

انہیں دنوں سمانہ سے نکل کر علاؤ الدین خلجی کچھ مخالفین پر حملہ آور ہوا تھا۔ ان حملوں کے دوران ایک شخص مندا ہراتی نے تلوار کا وار کر کے جلال الدین کو زخمی کیا۔ اس وار سے جلال الدین کے چہرے پر ایک زخم آ گیا تھا جس کا نشان تمام عمر جلال الدین کے چہرے پر باقی رہا۔

سلطان غیاث الدین بلبن اور اس کے پوتے کے بعد جب جلال الدین خلجی شہنشاہ بنا اور تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا تو مولانا سراج الدین اور مندا ہراتی جس نے حملہ آور ہو کر جلال الدین خلجی کو زخمی کیا تھا وہ دونوں سخت پریشان اور فکر مند ہوئے۔ وہ یہ خیال کرنے لگے کہ پہلے تو جلال الدین خلجی صرف سمانہ کا جاگیردار تھا اور ہندوستان کا بادشاہ غیاث الدین بلبن اور اس کا پوتا تھا۔ اب جبکہ ہندوستان کا بادشاہ ہی جلال الدین خلجی بن گیا ہے تو جو کارروائیاں اس سے پہلے وہ جلال الدین خلجی کے خلاف کر چکے ہیں ان کا وہ ان دونوں سے انتقام لینے کی کوشش ضرور کرے گا۔

جب ان دونوں کو کوئی جائے قرار نظر نہ آئی اور انہوں نے یہ جان لیا کہ جہاں کہیں بھی وہ بھاگ کر جائیں گے سلطان جلال الدین خلجی کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے اور اگر انہوں نے کہیں چھپ کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی تو کوئی نہ کوئی مخبر سلطان جلال الدین کو ان کے متعلق خبر کر دے گا اور اس طرح سلطان جلال الدین انہیں گرفتار کر کے واقعی سزا دے گا تو پہلے وہ ادھر ادھر چھپتے پھرے لیکن بعد میں دونوں نے فیصلہ کیا کہ اس

طرح چھپ کر زندگی کے دن گزارنا اچھا نہیں ہے۔ کسی نہ کسی دن وہ سلطان جلال الدین کی گرفت میں آہی جائیں گے۔ لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ خود ہی اپنے آپ کو سلطان جلال الدین کی خدمت میں پیش کر دینا چاہیے پھر اس کا جو جی چاہے سزا دے۔

چنانچہ یہ فیصلہ کرنے کے بعد دونوں اپنی اپنی گردنوں میں اپنے عمامے لٹکا کر مجرموں کی طرح سلطان جلال الدین کی طرف روانہ ہوئے اور اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

سلطان جلال الدین کو جب دونوں صاحبان کے آنے کی اطلاع کی گئی تو اس نے ان دونوں کو ملاقات کا وقت دیا اور اپنے پاس بلایا۔

جب مولانا سراج الدین اور سندا ہراتی دونوں سلطان جلال الدین کے سامنے گئے تو سلطان نے دیکھا کہ دونوں نے اپنے اپنے سروں سے اپنے عمامے اتار کر مجرموں کی طرح اپنے گلوں میں ڈال رکھے ہیں تب وہ بڑا پریشان ہوا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر انتہائی عزت و احترام کے ساتھ ان دونوں کا استقبال کیا اور دونوں سے باری باری بغلگیر ہوا۔

پر جوش انداز میں ملنے کے بعد سلطان جلال الدین خلجی نے انہیں انعام و اکرام کے علاوہ قیمتی خلعت سے بھی سرفراز فرمایا اور ان کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا تاکہ مولانا سراج الدین دوسرے معزز امراء کی طرح دربار شاہی میں حاضر ہو کر آداب بجالایا کریں۔ جہاں تک سندا ہراتی کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ بھی جلال الدین نے ویسا ہی سلوک کیا۔ اس کو بھی خوب اعزاز و اکرام سے نوازا گیا اس طرح دونوں حضرات سلطان جلال الدین کی اس نرم دلی اور قدر شناسی سے بے حد خوش اور مطمئن ہوئے۔



سلطان جلال الدین خلجی بے حد نرم مزاج اور لوگوں سے بڑی نرمی کے ساتھ پیش آنے والا تھا لیکن اس کے دور میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی بناء پر اسے ایک شخص کے خلاف سختی اختیار کرنا پڑی اور اس کے قتل کا حکم بھی دیا۔

اس شخص کا نام مولا تھا۔ کہتے ہیں یہ جرجان شہر کا رہنے والا تھا مانا ہوا کیمیا گر تھا۔ پہلے فقیروں کے بھیس میں مغرب سے آنے والے درویشوں اور صوفیوں میں ایک عرصہ گزارا۔ اس کے بعد دوبارہ اپنے وطن جرجان چلا گیا۔ جرجان میں کچھ دن اس نے گزارے تو پھر اسے پنجاب کے علاقے اجودھن یعنی پاک پتن کے شیخ فرید الدین گنج شکر سے ملاقات کرنے کا شوق پیدا ہوا۔

اس سلسلے میں اس نے پھر جرجان سے سفر شروع کیا پاک پتن پہنچا۔ شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوا ان کے پاس چند دن پاک پتن میں قیام کرنے کے بعد اس نے دہلی جا کر قیام کرنے اور وہاں ایک خانقاہ قسم کی جگہ بنا کر وہاں قیام کر کے لوگوں کی مدد نیز فقیروں اور درویشوں کی حاجت روائی کا فیصلہ کر لیا۔

یہ شخص کیونکہ کیمیا گر تھا لہٰذا جو ارادے وہ کر رہا تھا انہیں پورا کر سکتا تھا اس موقع پر اس نے شیخ فرید الدین گنج شکر کے سامنے دہلی جانے اور وہاں خانقاہ بنا کر لوگوں کی حاجت روائی کرنے کے اپنے ارادے ظاہر کیے۔ تب فرید الدین گنج شکر نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

"مجھے تمہارے اس ارادے سے کوئی اختلاف تو نہیں ہے البتہ میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ دہلی پہنچ کر امیروں اور حاکموں سے زیادہ میل جول پیدا مت کرنا اور ان سے تعلقات بڑھانے سے پرہیز کرنا۔ کیونکہ امیروں سے تعلقات پیدا کرنے میں درویشوں اور فقیروں کو ہمیشہ ہی نقصان پہنچتا ہے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی دوستی ایسے لوگوں کی موت کا سبب بن جاتی" ہے۔

بہر حال مولا نام کا وہ شخص پاک پتن سے دہلی پہنچا۔ دہلی میں اس نے ایک خانقاہ تعمیر کروائی اور ضرورت مندوں اور فقیروں وغیرہ کی روٹی کپڑے سے مدد کرنے لگا۔

ان ہی دنوں دہلی کا کوتوال فخر الدین انتقال کر گیا۔ جن دنوں فخر الدین توال تھا ان دنوں وہ دہلی شہر کے بہت سے غریب غربا اور لاچار اور مفلوک الحال لوگوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ جب وہ مر گیا تب وہ لوگ بھی مدد حاصل کرنے کے لئے اس مولا کی خانقاہ کا رُخ کرنے لگے تھے۔

مولا کا یہ طریقہ تھا کہ وہ نماز یا جمعہ وغیرہ پڑھنے کے لئے مسجد نہیں جایا کرتا تھا۔ جن دنوں کیمیا گر مولا دہلی آیا ان دنوں غیاث الدین بلبن کا دور تھا جلد ہی غیاث الدین بلبن فوت ہو گیا اور اس کے بعد اس کا پوتا کیقباد ہندوستان کا حکمران بنا۔ بہر حال کیقباد کا دورِ حکومت خیر و عافیت سے گزر گیا جب سلطان جلال الدین خلجی کا دور آیا، اس دور میں مولا، فرید گنج شکر کی نصیحت کو فراموش کر گیا۔ انہوں نے اجودھن سے روانہ ہوتے وقت اس سے کہا تھا کہ امراء اور ایسے ہی دیگر لوگوں سے تعلقات استوار مت کرنا۔ لیکن مولا ان کی نصیحت کو فراموش کر گیا وہ کیونکہ کیمیا گر تھا لہٰذا اپنی

اسی کیمیا گری کی وجہ سے شہرت حاصل کرنے لگا۔ شرفا اور امراء جب اس کے پاس آنے لگے تو ایک ایک ملاقات میں دو دو تین تین ہزار اشرفیاں انہیں انعام دینے لگا دستر خوان کی وسعت میں بھی اس نے پہلے کی نسبت اضافہ کر لیا تھا۔

بڑے بڑے امراء بڑے بڑے عہدوں پر فائز لوگوں کو اپنے ہاں دعوت دینے لگا اور ان کے لئے اعلیٰ اعلیٰ کھانے اور نفیس مشروب وغیرہ پیش کرنے لگا۔

اکثر ایسا ہوتا کہ ایک ایک دن میں ایک ہزار من میدہ، چالیس من شکر، چالیس من گڑ، پانچ سو من گوشت اور کئی من گھی اس کے باورچی خانے میں صرف ہو جاتا تھا۔ اس کی آمدنی کوئی نہ تھی ان سارے اخراجات کو وہ کیمیا گری سے ہی سے پورے کرتا تھا۔

جب مانگنے والے اس کے پاس آتے تو اس کا یہ قاعدہ تھا کہ مانگنے والا جب اس کے سامنے سوال کرتا تو وہ اس سے کہہ دیتا کہ فلاں بورے یا فلاں پتھر کو اٹھاؤ۔ جب ایسا کیا جاتا تو ان کے نیچے چاندی سونا یا اشرفیاں ملتیں لوگ لے لیتے اور اپنی حاجت پوری کرتے۔ جلال الدین کے عہد میں اس مولا کی نوازشات اپنے عروج پر تھیں حتیٰ کہ علاؤ الدین خلجی کا بڑا بیٹا بھی اس کا بڑا معتقد تھا۔ سلطان جلال الدین کے دور حکومت میں ہی اس مولا نام کے شخص کی بدبختی آئی تو اس نے ایک شخص قاضی جلال الدین کاشانی سے گہرے تعلقات پیدا کر لیئے۔ یہ جلال الدین کاشانی بڑا تیز گفتار شخص تھا۔ مولا بھی اسے اپنا بہترین دوست خیال کرتے ہوئے اس پر اعتماد اور بھروسہ کرنے لگا۔ جلال الدین کاشانی نے اس مولا سے اس حد تک مراسم پیدا کیے کہ مولا کی خانقاہ میں تین چار روز تک مہمان رہتا۔ انہیں قیام کے دوران مولا اور جلال الدین

کاشانی کے درمیان سلطان جلال الدین خلجی کے خلاف کھچڑی پکنے لگی جلال الدین کاشانی نے مولا سے کہا۔

''خداوند نے آپ کو یہ قدرت اس لئے دی ہے کہ آپ اس کے بندوں سے رحم اور مہربانی سے پیش آئیں اور حکومت کو جو زمین پر خدا کی نیابت ہے ظالموں کے ہاتھ سے چھین کر اپنے قبضے میں کر لیں اور اہل دنیا کو خدا اور اس کے رسول کے فرمان کے مطابق زندگی بسر کرنے کا موقع دیں۔''

اس طرح کی گفتگو روز کرتے ہوئے جلال الدین کاشانی نے مولا کو خوب بہکایا۔ مولا اس کے بہکاوے میں آ گیا اور اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ ہندوستان کی بادشاہت حاصل کرنے کے لئے وہ اپنی پوری کوشش اور جدوجہد کرے گا۔

یہ شخص کیونکہ کیمیا گر تھا، سونا چاندی بنا لیا کرتا تھا اور اسی کے بل بوتے پر اس نے بہت سے لوگوں کی مدد کرتے ہوئے نا صرف انہیں اپنا ہمنوا بنا لیا تھا بلکہ ایک طرح سے انہیں اپنا مرید بھی خیال کرنے لگا تھا۔ لوگوں کی دل کھول کر مدد کرنے کی وجہ سے اس کے حمایتیوں، اس کے بہی خواہوں اور اس کے مریدوں میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا تھا۔

جب مولا اور جلال الدین کاشانی کے درمیان یہ معاملہ طے ہو گیا کہ جلال الدین کو تخت و تاج سے محروم کر کے ہندوستان کی بادشاہت پر قبضہ کر لینا چاہیے تب مولا نے اپنے مریدوں کو مختلف خطابات سے نوازنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دو مریدوں کے ذمے یہ کام لگایا کہ جمعہ کے روز جس وقت سلطان جلال الدین اپنی سواری پر جمعہ ادا کرنے کے لئے مسجد کا رُخ کرے تو مولا کے وہ دونوں

مرید اس پر حملہ آور ہو کر اس کا کام تمام کر دیں۔ ساتھ ہی مولا نے یہ بھی انتظام کیا کہ اپنے دس ہزار مریدوں کو بالکل چوکس اور مستعد کر دیا اور انہیں یہ حکم دیا کہ جونہی اس کے دو مرید جلال الدین خلجی پر حملہ آور ہو کر اس کا خاتمہ کر دیں وہ فوراً حرکت میں آئیں اور جو کوئی بھی بغاوت کھڑی کرے یا مزاحمت کا سامان کرے اسے موت کے گھاٹ اتار دیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیں۔

جب جمعہ کا دن آیا تو مولا کے ان دو مریدوں نے ابھی سلطان جلال الدین پر حملہ آور ہونا ہی تھا کہ مولا کے مریدوں میں ایک بھاگا بھاگا سلطان جلال الدین کی طرف گیا۔ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور جلال الدین کاشانی اور مولا کی سازش کی بابت پوری تفصیل کے ساتھ سلطان جلال الدین کو آگاہ کر دیا تھا۔

جلال الدین کاشانی بڑا صاحب علم تھا، قاضی بھی تھا۔ سلطان کو اس جیسے شخص کی حرکت سے بڑا دکھ ہوا۔ ساتھ ہی اسے یہ سن کر بھی صدمہ ہوا کہ مولا نام کا یہ شخص اس کے خلاف ایسی حرکت بھی کر سکتا ہے لہٰذا اس نے دونوں کو اپنے دربار میں طلب کر لیا۔

مولا اور قاضی جلال الدین کاشانی جب دونوں سلطان جلال الدین کے سامنے پیش ہوئے اور ان کے ساتھ وہ دو مرید بھی تھے جنہوں نے جلال الدین پر حملہ آور ہو کر اس کا کام تمام کرنا تھا اس کے علاوہ دیگر مرید بھی تھے جو سب اس سازش میں شامل تھے۔ ان سب کو تو کچھ دیر تک جلال الدین بڑے غور اور غصے کی حالت میں دیکھتا رہا پھر ان سے سازش سے متعلق اس نے طرح طرح کے سوال کیے۔

اب سلطان جلال الدین کے سامنے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے مولا اور اس کے سارے ساتھیوں نے اپنے جرم سے بالکل ہی انکار کر دیا۔ اس موقع پر سلطان

جلال الدین نے ان سے طرح طرح کے سوالات کیے لیکن سارے مجرموں نے اپنے جرم کا اقرار نہ کیا۔

اب سلطان جلال الدین خلجی بڑا رحم دل شخص تھا وہ کسی پر جبر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اور جرم ثابت ہوئے بغیر وہ کسی کو سزا بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔

ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے حکم دیا کہ بہادر پور کے جنگل میں ایک بہت بڑی آگ کا الاؤ روشن کیا جائے۔ مولا، قاضی جلال الدین کاشانی اور دو مرید جنہوں نے جلال الدین پر حملہ آور ہو کر اس کا کام تمام کرنا تھا ان کے لئے حکم جاری کیا کہ وہ ننگے پیر اس آگ پر سے گزریں گے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے۔

جلال الدین خلجی نے جب یہ حکم دیا تب دہلی کے کچھ علماء اس کے پاس آئے اور جلال الدین خلجی کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

"جلانا آگ کی فطرت ہے کوئی بھی شخص خواہ کتنا ہی بزرگ کیوں نہ ہو، خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا۔ اگر وہ آگ میں کودے گا تو آگ اس کو جلائے گی ضرور اور وہ لوگ جو آگ پر چلنے کی شعبدہ بازیوں کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ یا تو اپنے پاؤں پر رال مل لیتے ہیں یا مینڈک کی چربی استعمال کرتے ہیں جس کی بنا پر وہ آگ پر سے گزر جاتے ہیں ورنہ آگ کی فطرت جلانا ہے اور ہر چیز کو وہ جلا دیتی ہے۔"

ان علماء نے سلطان جلال الدین خلجی کو یہ بھی مشورہ دیا کہ "اس قسم کے معاملات کا فیصلہ آگ کے ذریعے کرنے کی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے۔"

ان علماء کی وہ گفتگو سن کر سلطان جلال الدین خلجی اپنے ارادے سے باز آ گیا

اوران لوگوں کو آگ میں ڈالنے کے اپنے ارادے کو اس نے ترک کر دیا۔

اب سلطان جلال الدین خلجی عجیب کشمکش و پیچ میں پڑ گیا تھا جب تک وہ سارے مجرم اقرار جرم نہ کرتے تھے اس وقت تک وہ انہیں سزا بھی دینا نہیں چاہتا تھا اور جرم ثابت ہوئے بغیر وہ سزا دینا معیوب بھی خیال کرتا تھا۔ ان سارے عوامل کو دیکھتے ہوئے سلطان جلال الدین خلجی نے قاضی جلال الدین کاشانی کو تو بدایوں کا قاضی مقرر کر کے دہلی سے روانہ کر دیا اور دیگر امراء جو مولا کی سازش میں شامل قرار پائے تھے انہیں دہلی بدر کر دیا گیا۔ وہ دو مرید جنہوں نے مولا کے کہنے پر جمعہ کے روز سلطان جلال الدین پر حملہ آور ہو کر اسے قتل کر دینا تھا ان دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

باقی مولا رہ گیا تھا۔ اسے لے کر جلال الدین خلجی اپنی رہائش گاہ کی طرف گیا اور مولا کو اپنے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہنے کا حکم دیا۔ اس موقع پر سلطان جلال الدین نے مولا سے اس کی سازش کے بارے میں چند سوال کیے لیکن مولا نے اپنی سازش کا جرم تسلیم کرنے سے پھر انکار کر دیا یہ صورت حال دیکھتے ہوئے سلطان جلال الدین خلجی نے دہلی کے کچھ شیوخ اور علماء کو طلب کیا ان میں سے زیادہ تر نمایاں شیخ ابوبکر طوسی حیدری اور ان کے کچھ ساتھی بھی شامل تھے۔

جب یہ سب لوگ سلطان جلال الدین خلجی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں مخاطب کر کے سلطان جلال الدین خلجی کہنے لگا۔

”ذرا اس مولا کو دیکھو تو سہی کہ اس درویش نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور میرے ملک میں بدامنی اور فساد پھیلانے کے کیا کیا منصوبے یہ تیار کرتا رہا ہے۔

میں اس پر نہ کوئی ظلم کرنا چاہتا ہوں نہ اس سے زیادتی کرنے کا خواہش مند ہوں۔ میں سارا معاملہ تم بزرگوں کے حوالے کرتا ہوں اور اس کے سلسلے میں، میں انصاف کو تم لوگوں کے ہاتھ میں دیتا ہوں تم جو مناسب سمجھو فیصلہ کرو تاہم اپنے فیصلے سے تمہیں مجھے مطمئن کرنا ہوگا۔"

اس موقع پر کچھ درویش اور مرید بھی مولا کے پاس کھڑے ہوئے تھے سلطان جلال الدین خلجی کے یہ الفاظ سن کر ایک مرد درویش جس کا نام سنجرل تھا فوراً حرکت میں آیا۔ اپنے لباس کے اندر سے اس نے ایک استرا نکالا اور مولا پر جھپٹ پڑا اور استرے سے اس پر وار کرتے ہوئے اسے زخمی کرنا شروع کر دیا۔

یہ صورت حال سلطان جلال الدین خلجی کے بیٹے ارکلی خان کے لئے بھی نا قابل برداشت تھی کہ کوئی اس کے باپ کے خلاف اس طرح بغاوت اور سازش کرنے کی کوشش کرے اور میرا باپ اس کے سامنے یوں لاچار اور بے بس رہے لہٰذا ارکلی خان نے ایک فیل بان کو بلایا۔ فیل بان بھاگا بھاگا جب اس کے پاس آیا تو اسے ارکلی خان نے مخصوص اشارہ کیا۔ یہ اشارہ پاتے ہی فیل بان حرکت میں آیا اور ایک مست ہاتھی کو وہ وہاں لے آیا اس کے اشارے پر وہ مست ہاتھی جھپٹا اور اس دیو پیکر جانور نے آناً فاناً مولا کو کچل کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔



داخلی امور سے کسی قدر سکون پانے کے بعد سلطان جلال الدین خلجی کو خبر ہوئی کہ رنتھمبور کا راجہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ سلطان جلال الدین کو رنتھمبور کے راجہ کے ان ارادوں اور نیت سے بڑا دکھ اور افسوس ہوا وہ اسی وقت اس پر حملہ آور ہو کر اسے مطیع اور فرمانبردار بنانا چاہتا تھا کہ انہیں دنوں سلطان جلال الدین کا بڑا بیٹا اچانک بیمار ہو گیا طبیبوں نے بہت علاج کیا لیکن مرض بڑھتا گیا۔ کچھ ہی دنوں میں بیماری نے طول پکڑا اور جلال الدین خلجی کا بڑا بیٹا بالکل ہی لاغر ہو کر رہ گیا آخر طبیبوں کی کوئی دوا کارگر ثابت نہ ہوئی اور جلال الدین خلجی کا بڑا بیٹا فوت ہو گیا۔

جلال الدین خلجی کو اپنے بیٹے کی موت کا بڑا دکھ اور صدمہ ہوا تھا اب اس کے دو ہی بیٹے رہ گئے تھے ارکلی خان اور قدر خان۔

ان واقعات کے بعد سلطان جلال الدین نے اپنے بیٹے ارکلی خان کو اپنا ولی عہد بنانے کا اعلان کیا۔ ساتھ ہی اس نے ایک خاصا بڑا لشکر تیار کیا۔ اپنے بیٹے ارکلی خان کو اس نے دہلی میں چھوڑا اور خود لشکر لے کر دہلی سے نکلا اور رنتھمبور کے راجہ پر حملہ آور ہونے کے لئے اس نے پیش قدمی شروع کی۔

رنتھمبور پہنچ کر سلطان جلال الدین خلجی نے جب قلعے کا جائزہ لیا تو اسے پتا چلا کہ قلعہ بڑا مضبوط اور مستحکم ہے۔ قلعے کی فصیل کافی اونچی اور چوڑی بھی ہے بڑے

بڑے پتھروں سے بنی ہوئی انتہائی پائیدار ہے۔ یہ بھی مخبروں نے اطلاع دی کہ قلعے کے اندر راجپوتوں کا ایک بہت بڑا لشکر ہے۔ اس کے علاوہ رنتھبور شہر کے لوگ بھی اپنے لشکریوں کا پورا ساتھ دے رہے ہیں۔

یہ ساری خبریں ملنے کے بعد سلطان جلال الدین نے سوچا کہ اگر وہ رنتھبور پر حملہ آور ہو اور بڑی سختی سے قلعے کا محاصرہ کرے تب بھی قلعے کو فتح کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ اس لئے کہ قلعے کی مضبوطی، دیوار کی اونچائی اور استحکام آڑے آئیں گے اس نے سوچا اس دوران اس کے کافی لشکری جنگ میں کام آجائیں گے وہ بوڑھا ہو چکا ہے اور بڑھاپے میں اسے اس طرح اپنے لشکریوں کو ہلاک کر کے ان گنت عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم بنانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

ان سوچوں کے تحت سلطان جلال الدین نے رنتھبور پر حملہ آور ہونے کا اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ ایک اور قلعے جھاین کی طرف بڑھا۔ جھاین کے اندر بھی راجپوتوں کا ایک بہت بڑا لشکر تھا لیکن اس شہر اور قلعے کی فصیل رنتھبور جیسی مضبوط مستحکم اور بلند نہ تھی۔ اس قلعے پر سلطان جلال الدین خلجی زوردار انداز میں حملہ آور ہوا پہلے ہی حملے میں اس نے شہر کی فصیل کا ایک حصہ گرا دیا۔ اس کا لشکر شہر میں داخل ہوا شہر کے اندر راجپوتوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ راجپوتوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ سلطان فصیل کے ٹوٹے ہوئے جس حصے سے شہر میں داخل ہوئے ہیں ان پر زوردار حملے کرتے ہوئے اور ان پر دباؤ بڑھاتے ہوئے اسی ٹوٹے ہوئے راستے سے انہیں شہر اور قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیں۔ لیکن خلجیوں نے راجپوتوں پر اس زوردار انداز میں حملے کیے تھے کہ اپنے پہلے ہی حملے میں انہوں نے ان گنت راجپوتوں کو موت

کے گھاٹ اتارتے ہوئے چاروں طرف ان کی لاشوں کے انبار لگا کر رکھ دیئے تھے اس طرح سلطان جلال الدین خلجی جہاین نام کا وہ قلعہ فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اس قلعے سے سلطان جلال الدین خلجی کو بے شمار ہتھیار اور مال غنیمت حاصل ہوا اور ان ساری چیزوں کو سمیٹنے کے بعد سب سے پہلے اس نے قلعے کا نظم و نسق درست کیا۔ وہاں اپنی طرف سے ایک حاکم مقرر کیا اس کے بعد وہ مالوہ کی طرف بڑھا۔

مالوہ کے علاقے میں بھی راجپوتوں کا لشکر سلطان جلال الدین خلجی کی راہ روکے کھڑا تھا۔ وہ راجپوت ویسے بھی سلطان جلال الدین کے خلاف بڑے برہم اور ناراض تھے اس لئے کہ سلطان جلال الدین نے راجپوتوں کے قلعے جہاین پر حملہ آور ہو کر کافی راجپوتوں کا خاتمہ کرتے ہوئے قلعے پر قبضہ کر لیا تھا۔

راہ روکنے والے راجپوتوں کے اس لشکر نے کھلے میدانوں میں سلطان جلال الدین خلجی سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا۔

دونوں لشکریوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی۔ راجپوتوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ خلجیوں پر تیز حملے کرتے ہوئے ان سے جہاین کے قلعے کا انتقام لیں لیکن وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ جواباً خلجیوں نے جب ان پر جان لیوا حملے کرتے ہوئے ان کی صفوں کو الٹنا شروع کر دیا تب راجپوت گھبرا اٹھے۔ آخر کار اس جنگ میں خلجیوں نے ان گنت راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ راجپوتوں کو بدترین شکست ہوئی اور جنگ سے بچنے والے اپنی جانیں بچا کر مختلف علاقوں کی طرف بھاگ گئے۔

جھاین کے قلعے اور مالوہ کے وسیع علاقوں پر حملہ آور ہونے اور اپنی مہم کو کامیابی سے دوچار کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ جلال الدین خلجی پلٹا اور دہلی کا رُخ کیا۔ واپسی پر وہ رنتھمبور کے پاس سے گزرا۔ رنتھمبور کے پاس سے گزرتے ہوئے کچھ سالاروں نے سلطان جلال الدین خلجی کو اکسایا کہ رنتھمبور کے راجہ کو اس کی خودسری اور نافرمانبرداری کی سزا ضرور ملنی چاہیے لہٰذا ہر صورت میں اس پر حملہ آور ہو کر اسے فتح کر لینا چاہیے لیکن سلطان جلال الدین خلجی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے لشکر کو اس نے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

لشکر کے کوچ کرنے سے پہلے سلطان جلال الدین خلجی نے اپنے سارے سالاروں اور سرداروں کو ایک جگہ جمع کیا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میں نے پہلے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ میں رنتھمبور کے اس قلعے کو ضرور فتح کروں گا یہ مت خیال کرنا کہ میں اس قلعے کی مضبوطی اور استحکام کو دیکھتے ہوئے اپنا ارادہ بدل چکا ہوں ہرگز نہیں۔ جب میں نے اپنے اس ارادے پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ بے شمار مسلمانوں کی جانوں کی قربانیاں دیئے بغیر قلعے کو سر کرنا مشکل ہے۔ یہ قلعہ فتح کرنا میرے لئے کوئی اتنا مشکل نہیں ہے رنتھمبور کا راجہ کوئی اتنا طاقتور اور پرقوت نہیں ہے کہ وہ قلعے سے باہر نکل کر میرا مقابلہ کرے یا آنے والے دور میں کبھی سرکشی اختیار کر کے ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے ایسا وہ ہرگز نہ کر سکتا ہے نہ کرنے کے قابل ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ قلعے سے باہر نکل کر ہمارا مقابلہ کرتا قلعے کے اندر محصور نہ ہو جاتا۔ میں اس معمولی سے قلعے کی خاطر مسلمانوں کے خون کو اتنا ارزاں نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے اپنے ارادے سے ہاتھ اٹھانا ہی مناسب سمجھتا ہوں۔"

سلطان جلال الدین خلجی کی یہ تقریر سن کر اس کے سردار اور سالار مطمئن نہ ہوئے آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ ''جب ہم اس طرف آئے ہیں تو ہمیں رنتھمبور پر حملہ آور ضرور ہونا چاہیئے۔'' آخر انہوں نے ایک شخص ملک حبیب احمد کا انتخاب کیا تا کہ وہ اس سلسلے میں سلطان سے بات کرے۔ حبیب احمد، جلال الدین خلجی کے بڑا قریب تھا جلال الدین خلجی اس کی عزت بھی کرتا تھا اس لئے کہ وہ جلال الدین خلجی کے لئے بڑا جاں نثار اور بڑا وفادار تھا۔

سلطان جلال الدین خلجی کے پاس جا کر حبیب احمد سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''سلطان محترم! مہمات سلطنت کو سرانجام دیتے ہوئے لشکریوں کی جان کا خیال رکھنا آئین جہانگیری کے خلاف ہے اگر رنتھمبور کا راجہ قلعے میں محصور ہو کر اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے اور اس موقع پر اگر اس کی سرزنش نہ کی گئی تو وہ یہ سمجھے گا کہ ہم اس کے مقابلے میں کمزور ہیں لہٰذا وہ آئندہ فتنہ فساد کا بازار گرم کرے گا۔''

سلطان جلال الدین خلجی کو اپنے سالار حبیب احمد کی یہ گفتگو پسند نہ آئی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں آئین جہانگیری سے ناواقف ہوں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اکثر بادشاہوں کو ملک گیری کی ہوس میں مسلمانوں کی قیمتی جانوں کا کوئی خیال نہیں رہتا لیکن ہر بادشاہ اسی طرح کا نہیں ہوتا۔ جو بادشاہ سچے مسلمان ہوتے ہیں اور جنہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ ایک دن انہیں خدا کے سامنے جواب دہ ہونا ہے تو وہ مسلمانوں کی جانوں کی قدر کرتے ہیں اور ملک گیری کے لئے دین داروں کا خون

بہانا پسند نہیں کرتے۔

میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میں اب بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میں اپنی زندگی کے آخری دور میں فرعون اور نمرود کی روش پر چلنا پسند نہیں کرتا مجھے کوئی ایسا کام پسند نہیں ہے۔ جس کے نتیجے میں لاکھوں مسلمان عورتیں بیوہ اور ان کے بچے یتیم ہو کر رہ جائیں۔"

سلطان جلال الدین خلجی کی گفتگو کے جواب میں نا صرف اس کا جانثار سالار حبیب احمد مطمئن ہو گیا بلکہ دوسرے امراء اور سالار بھی اس کی اس گفتگو سے مطمئن ہو گئے تھے۔ لہٰذا سلطان جلال الدین نے رنتھمبور پر حملہ کیے بغیر اور راجہ کو اس کے حال پر چھوڑتے ہوئے اپنے لشکر کے ساتھ دہلی کا رخ کر لیا تھا۔



جھاین کے قلعے اور مالوہ کے علاقے پر حملہ آور ہونے اور وہاں فتوحات حاصل کرنے کے بعد سلطان جلال الدین خلجی جب اپنے لشکر کے ساتھ دہلی لوٹا تو اس کے لئے ایک بہت بڑی مصیبت اُٹھ کھڑی ہوئی۔

ہوا یوں کہ منگولوں کا ایک بہت بڑا لشکر شمال مغرب کے کوہستانی سلسلوں سے ہوتا ہوا اپنے سامنے آنے والی ہر شے کو پامال کرتا ہوا ہندوستان میں داخل ہوا تھا۔ منگولوں کے اس لشکر کا سردار ہلاکو خان کا ایک رشتہ دار تھا اور اس لشکر میں چنگیز خان کا ایک نواسا بھی شامل تھا جس کا نام الغوخان تھا۔ بہر حال منگولوں کا یہ بہت بڑا لشکر ہندوستان میں داخل ہوا۔ ان کا ارادہ تھا کہ ہندوستان پر حملہ آور ہو کر وہاں اپنی حکومت قائم کرلیں گے۔ دراصل منگول کسی دھوکے، کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے ان کا خیال تھا کہ دہلی کا حکمران جلال الدین خلجی بوڑھا ہو چکا ہے اگر وہ اس پر حملہ آور ہوتے ہیں تو وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا تخت و تاج اس سے چھین کر وہ ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن ہلاکو خان کے اس عزیز کو یہ خبر نہ تھی کہ ہندوستان کا حکمران خلجی ہے اس کے ماتحت خلجیوں کا بہت بڑا لشکر ہے اور خلجی بھی منگولوں اور ترکوں کے بھائی بند ہیں اور وہ ان ہی کی طرح جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں اور بڑے بڑے لشکروں کو پسپا کرنے کی ہمت اور جرأت بھی رکھتے ہیں۔

بہر حال منگولوں کا لشکر جب ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو کچھ علاقوں کے اندر انہوں نے تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلنا شروع کیا۔ لوٹ مار مچانا چاہی۔ کچھ بستیوں کو آگ بھی لگا دی۔

سلطان جلال الدین کے مخبروں نے جب اسے اطلاع دی کہ منگولوں کا ایک بہت بڑا لشکر ہندوستان میں داخل ہو چکا ہے اور وہ دہلی کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرنے کا خواہش مند ہے تب جلال الدین خلجی بڑا غضبناک ہوا۔ ایک بہت بڑا لشکر لے کر وہ دہلی سے نکلا اور منگولوں سے اس نے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔

اس موقع پر سلطان جلال الدین خلجی کے امراء اور سالاروں میں بھی ایک تبدیلی اور انقلاب رونما ہوا۔ جس وقت سلطان جلال الدین خلجی دہلی سے رنتھبور پر حملہ آور ہونے کے لئے نکلا تھا اور رنتھبور کا جائزہ لینے کے بعد اس نے اس پر حملہ آور ہونے کے بجائے جھاین کے قلعے پر حملہ آور ہو کر اسے فتح کیا، ساتھ ہی مالوہ کے علاقے کو فتح کرتے ہوئے اسے روندھا اور رنتھبور کو ایک طرف رکھ دیا۔ واپسی پر بھی وہ رنتھبور ہی کے پاس سے گزرا لیکن اس پر حملہ آور نہیں ہوا۔

جلال الدین خلجی کے اس فیصلے سے اس کے امراء اور سالار یہ خیال کرنے لگے تھے کہ جلال الدین خلجی اب بوڑھا ہونے کے بعد کم حوصلہ اور بزدل ہو چکا ہے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ سلطان غیاث الدین بلبن اور جانشینوں کے دور میں جب سلطان جلال الدین خلجی ان کے امراء میں شامل تھا اس نے بہادری کے انمول جوہر دکھائے تھے لیکن رنتھبور کے قلعے پر حملہ آور نہ ہونے کی وجہ سے اس کے امراء اور اس کے

سالار یہ خیال کرنے لگے تھے کہ سلطان جلال الدین خلجی اب جنگوں سے جی چرانے لگا ہے تساہل پسند ہو گیا ہے آرام اور عیش کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔

سلطان جلال الدین نرم دل ضرور تھا لیکن بزدل نہیں تھا۔ بڑے بڑے معرکوں میں لشکروں کی کمانداری کرنے کی ہمت رکھتا تھا اور لشکر کے آگے رہ کر دشمن سے جنگ کرنے کا حوصلہ بھی اس میں تھا۔

اب منگول ہلاکو خان کے عزیز کی سرکردگی میں ہندوستان پر حملہ آور ہوئے اور انہوں نے مختلف علاقوں پر حملہ آور ہوتے ہوئے قتل و غارت گری، تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلنا شروع کیا اور ان کی ان کارروائیوں کو دیکھ کر سلطان جلال الدین برہم ہوا اور انتہائی بہادری اور جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ اپنے لشکر کو لے کر منگولوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلا۔ تب اس کے سالاروں اور اس کے امراء کے خیالات جو اس سے متعلق تھے وہ تبدیل ہو گئے تھے۔

پہلے وہ یہ خیال کرنے لگے تھے کہ جلال الدین بوڑھا ہو جانے کے باعث اب لشکریوں کی سالاری کے قابل نہیں رہا۔ جنگوں سے جی چرانے لگا ہے کسی بڑی مہم کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ اس بناء پر اس نے دو چھوٹی چھوٹی مہموں یعنی جھاین کے قلعے اور مالوہ کی تکمیل کے بعد دہلی کا رُخ کر لیا تھا لیکن یہاں معاملہ ان کے سامنے بالکل الٹ تھا۔

منگولوں کے حملے کا سن کر سلطان جلال الدین خلجی اپنے لشکر کے ساتھ دہلی سے ایسے ہی نکلا جیسے کوئی شیر اپنی کچھار سے شکار پر حملہ آور ہونے کے لئے نکلتا ہے۔ اس

وقت وہ جوانوں کی طرح چھاتی تان کر گھوڑے پہ سوار تھا اور اپنے لشکر کی کمانداری اور سپہ سالاری کرتا ہوا بڑی تیزی اور برق رفتاری سے منگولوں کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا تھا۔

دوسری طرف منگول یہی خیال کر رہے تھے کہ ہندوستان کا سلطان بوڑھا ہے۔ منگولوں کے ایک ہی حملے کو برداشت نہیں کر سکے گا لہٰذا منگول اسے شکست دینے کے بعد دہلی تک اس کا تعاقب کرتے چلے جائیں گے۔

آخر سلطان جلال الدین خلجی چھاتی تان کر خم ٹھونک کر منگولوں کے مقابلے پر آیا۔ منگولوں کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن کمال جرأت مندی اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خلجی حکمران ان کے سامنے آیا اور پھر خلجیوں کے لئے منگول کوئی ناآشنا نہ تھے۔ خلجیوں کے عزیز اقارب اور رشتہ دار بھی تھے لہٰذا خلجی نا صرف ان سے آشنا تھے بلکہ ان کے جنگی طریقوں اور لڑائی کی وارداتوں سے بھی خوب واقف اور آگاہ تھے۔

سلطان جلال الدین خلجی جب منگولوں کے مقابلے پر آیا تو منگولوں نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ ہلاکو خان کے عزیز نے اپنی کمانداری میں رکھا اور دوسرے حصے کی سالاری اس نے چنگیز خان کے نواسے الغو خان کے سپرد کی تھی۔

آخر کھلے میدانوں میں منگولوں اور سلطان جلال الدین خلجی کے درمیان ٹکراؤ ہوا۔ گھمسان کی جنگ شروع ہوئی منگولوں نے شروع شروع میں بڑھ چڑھ کر حملے کیے۔ ان کا ارادہ تھا کہ شروع ہی میں اپنے حملوں میں تیزی پیدا کر دیں گے اس طرح

وہ لمحوں کے اندر خلجیوں کو اپنے سامنے زیر اور مغلوب کر کے رکھ دیں گے لیکن تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد منگولوں کا سارا نشہ اتر گیا۔ ان کے سارے ولولے، ان کے سارے ارادے۔ ان کے سارے ٹھوس جذبات موم کی طرح پگھل کر رہ گئے۔ اس لئے کہ سلطان جلال الدین خلجی اپنے لشکر کے ساتھ ان کے سامنے نہ سرکنے والی چٹان اور لوہے کی دیوار ثابت ہوا تھا۔

سلطان جلال الدین نے پہلے بڑی پامردی اور جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے منگولوں کے حملوں کو روکا اس کے بعد اس نے اپنی جوابی کارروائی کی اور وہ دفاع سے نکل کر جارحیت اختیار کرتے ہوئے بڑے جان لیوا حملے منگولوں پر کرنے لگا تھا۔

منگولوں کا مقابلہ کرتے ہوئے عمر میں ستر سال سے بھی تجاوز کر جانے والا سلطان جلال الدین خلجی ہندوستان کے سابق سلطان غیاث الدین بلبن کے دور کا جوان دکھائی دینے لگا تھا۔ اپنے محافظ دستوں کے ساتھ حملہ آور ہوتے ہوئے وہ منگولوں کے لشکر کے جس حصے پر بھی یلغار کرتا اپنے پیچھے منگولوں کی لاشوں کے ڈھیر لگاتا چلا گیا تھا۔

منگول یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ ہندوستان کا بوڑھا سلطان ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گا اور وہ فتح مند رہیں گے لیکن جب انہوں نے میدان جنگ میں دیکھا کہ ہندوستان کا بوڑھا سلطان جلال الدین خلجی میدان جنگ کے اندر منگولوں کی صفوں کی چیر پھاڑ کرنے لگا ہے تب منگول کسی قدر ماند اور بے حوصلہ سے ہونے لگے تھے۔

سلطان جلال الدین خلجی نے منگولوں کی اس کیفیت سے پورا پورا فائدہ اٹھانے

کا تہیہ کیا اور اس نے اپنے حملوں میں پہلے سے زیادہ جوش اور شدت پیدا کر دی تھی۔ اس طرح کھلے میدانوں میں سلطان جلال الدین خلجی نے منگولوں کو بدترین شکست دی تھی۔

منگول ہلاکو خان کے عزیز کی سرکردگی میں شکست اٹھا کر پیچھے ہٹ گئے تھے ذرا فاصلے پر جا کر انہوں نے پڑاؤ کر لیا تھا۔ سلطان جلال الدین خلجی یہ خیال کرنے لگا کہ شاید منگولوں میں ابھی دم خم ہے اور وہ جنگ میں کام آنے والوں کو ٹھکانے لگانے اور اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے کے بعد شاید پھر جنگ کی ابتداء کرنا چاہیں گے، جنگ کو اگلے دن پر ٹالنا چاہتے ہیں۔ بہر حال سلطان جلال الدین خلجی ہر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا جب منگول شکست اٹھا کر پیچھے ہٹ گئے تو اس نے بھی اپنے لشکر کے زخمیوں کی پہلے دیکھ بھال کی اس کے بعد منگولوں کے ہر رد عمل کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ بالکل تیار اور مستعد ہو گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد منگولوں کے لشکر کی طرف سے ایک گروہ نمودار ہوا اور سلطان جلال الدین خلجی کے لشکر کی طرف بڑھا۔ یہ لوگ نہتے تھے اور پیدل چلتے ہوئے آ رہے تھے اور پھر چند ایک تھے اس بناء پر ان کی طرف سے کسی خطرے کا اندیشہ نہ تھا۔

جب وہ اس جگہ آئے جہاں سلطان جلال الدین خلجی اپنے امراء اور سالاروں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا تب ان کی طرف دیکھتے ہوئے جلال الدین خلجی نے پوچھ لیا۔ ''تم لوگ کس سلسلے میں میرے لشکر کی طرف آئے ہو کیا چاہتے ہو؟''

آنے والے اس وفد کے ایک کارندے نے سلطان جلال الدین کو مخاطب

کر کے کہا۔ ''ہمیں ہمارے لشکر کے سالار اعلیٰ نے بھیجا ہے۔ اسے اپنی اس غلطی کا احساس ہے کہ اس نے ہندوستان پر حملہ کیا ہمارے لشکر کا سالار ہمارے خاقان چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کا ایک قریبی رشتے دار ہے۔ جس وقت اس نے ہندوستان کا رُخ کیا تھا اسے امید تھی کہ ہندوستان کا سلطان کیونکہ ایک بوڑھا خلجی ہے لہٰذا وہ اسے شکست دے کر ہندوستان کا تاج وتخت اور سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لے گا لیکن جس انداز میں آپ نے اپنا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ جوابی کارروائی کی اس سے وہ بے حد متاثر ہوا اور آپ کے ساتھ وہ وعدہ کرتا ہے کہ آئندہ کبھی بھی آپ کے علاقوں کا رُخ نہیں کرے گا اور یہ کہ آپ کی حیثیت اس کے ہاں ایک محترم اور معزز باپ کی ہوگی۔''

وفد کا رُکن جب خاموش ہوا تب جلال الدین خلجی اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر یہ بات ہے تو جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس کے جواب میں ہمیں کیا کرنا ہوگا؟''

وہی منگول پھر کہنے لگا۔ ''سلطان محترم! آپ کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد ہمارے سالار اعلیٰ نے ذرا پیچھے ہٹ کر اپنے لشکر کا پڑاؤ اس لئے کر لیا تھا تا کہ آپ اس کا تعاقب نہ کریں۔ اسے چونکہ شکست ہو چکی ہے اور جنگ کے دوران ہمارے کافی لشکری مارے جا چکے ہیں لہٰذا ہمارا سالار چاہتا ہے کہ ہمارے لشکریوں کا مزید نقصان نہ ہو۔ اسی بناء پر ہمارا سالار اپنے لشکر کو لے کر بھاگا نہیں پیچھے ہٹ کر پڑاؤ کر لیا ہے تا کہ آپ تعاقب نہ کریں رُک جائیں۔ ایک طرح سے اس نے آپ کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ دوبارہ جنگ شروع کرے گا لیکن وہ ایسا نہیں چاہتا وہ آپ کا مطیع اور فرمانبردار بننا چاہتا ہے۔''

اس کے بعد وفد کے کچھ دیگر ارکان حرکت میں آئے اور انہوں نے اس موقع پر سلطان جلال الدین خلجی کے سامنے انتہائی قیمتی تحائف اور نذرانے پیش کیے۔ سلطان جلال الدین خلجی نے ان تحائف کو قبول کر لیا پھر وفد کے ارکان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم چونکہ خیر سگالی کا پیغام لے کر آئے ہو۔ خیر سگالی کے طور پر میں ان تحائف کو قبول کر لیتا ہوں واپس جا کر اپنے سالار سے کہنا کہ اگر وہ مجھے اپنے باپ کی طرح سمجھتا ہے تو آج کے بعد اس کی حیثیت میرے ہاں ایک بیٹے کی سی ہو گی۔''

مؤرخین اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ ہلاکو خان کے اس عزیز سالار نے سلطان جلال الدین خلجی کو اپنا باپ قرار دیا تھا اور جواب میں سلطان جلال الدین خلجی نے اسے اپنا بیٹا کہہ کر پکارا تھا اور منگولوں کے سردار نے جو تحائف اور نذرانے پیش کیے تھے اس کے جواب میں سلطان جلال الدین خلجی نے اس سے بڑھ کر اس کے لئے تحائف اور نذرانے وفد کے ارکان کے حوالے کیے تا کہ وہ واپس جا کر اپنے سالار کو دیں۔

سلطان جلال الدین خلجی نے جب جواب میں انہیں بھی تحائف دیئے تب منگولوں کے وفد کا سرکردہ ایک بار پھر سلطان جلال الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''سلطان محترم! ہمارا ایک مسئلہ تو حل ہوا ہمارے اور آپ کے لشکر کے درمیان صلح ہو گئی ہے اور اس صلح کے نتیجے میں ہمارا لشکر آج ہی اپنے علاقوں کی طرف کوچ کر جائے گا اب ہمارے لئے ایک دوسرا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔''

اس موقع پر سلطان جلال الدین خلجی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔ ''کیسا مسئلہ؟''

جواب میں منگول کہنے لگا۔

"دراصل ہندوستان میں داخل ہونے کے بعد ہمارے لشکر میں سے کافی لوگوں نے مسلمانوں کے رہن سہن، ان کی تعلیم، ان کے اخلاق اور کردار سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا ہے اب وہ واپس اپنی سرزمینوں کو نہیں جانا چاہتے ان کی یہ خواہش ہے کہ انہیں ہندوستان ہی میں مسلمانوں کی حیثیت سے رہائش اختیار کرنے کی اجازت دے دی جائے۔"

اس انکشاف پر سلطان جلال الدین خوش ہوا کہنے لگا۔ "یہ اسلام قبول کرنے والے کون کون ہیں؟"

وہ منگول پھر بول اُٹھا۔

"ہمارے لشکر میں سے کافی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور ان میں سے سب سے سرکردہ ایک شخص الغوخان ہے اور یہ ہمارے خاقان چنگیز خان کا نواسا ہے۔"

اس منگول کے اس انکشاف پر سلطان جلال الدین خلجی کچھ دیر خاموش رہ کر سوچتا رہا پھر آنے والے ان منگولوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تم واپس جاؤ اپنے سالار سے جا کر میرا یہ پیغام دینا کہ اگر وہ مجھے باپ کی طرح سمجھتا ہے تو اس کی حیثیت میرے ہاں بیٹے کی سی ہے جو تحائف میں نے تمہیں دیئے ہیں یہ اس کے حوالے کرو اور اس سے یہ بھی کہو کہ اگر وہ امن چاہتا ہے تو یہاں سے چلا جائے اور اس کے لشکر میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے انہیں میری طرف بھیجو تا کہ میں ان کا جائزہ لوں پھر ان سے متعلق کوئی فیصلہ کروں۔"

سلطان جلال الدین خلجی کا یہ جواب سن کر منگولوں کا وہ وفد خوش ہو گیا تھا اور جو تحائف سلطان جلال الدین خلجی نے ان کے سالار اعلیٰ کے لئے دیئے تھے وہ تحائف

لے کر منگول واپس اپنے لشکر کی طرف چلے گئے۔

اس منگول وفد نے جب واپس جا کر اپنے سالار کو تحائف پیش کیے اور جو گفتگو سلطان جلال الدین خلجی کے ساتھ ہوئی تھی اس کی بھی تفصیل بتائی تب منگولوں کے اس سالار نے تحائف قبول کر لیئے سلطان جلال الدین خلجی کی گفتگو سے وہ بڑا متاثر ہوا اور اپنے لشکر کے ساتھ اسی وقت وہاں سے کوچ کر کے چلا گیا تھا۔ جبکہ اس کے لشکر کے وہ افراد جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ سلطان جلال الدین خلجی کے لشکر کی طرف بڑھے تھے ان کی تعداد کافی تھی۔

[illegible] وہ سب سلطان جلال الدین خلجی اور اس کے امراء کے سامنے آن کھڑے ہوئے تب کچھ دیر تک سلطان جلال الدین خلجی ان سب کا جائزہ لیتا رہا پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تم لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور تم واپس اپنی سرزمینوں پر جانے کے بجائے ہندوستان ہی میں آباد ہونا چاہتے ہو؟"

سلطان جلال الدین خلجی کے اس سوال پر ان منگولوں میں سے ان کا جو سرکردہ تھا اور جو خوب قد کاٹھ کا اور کڑے مضبوط جسم کا مالک تھا سلطان جلال الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"سلطان محترم! آپ کا کہنا درست ہے ہم خلوصِ دل کے ساتھ اسلام قبول کر چکے ہیں اور یہیں آپ کی مملکت میں آباد ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔"

اس کے جواب سے سلطان جلال الدین خوش ہوا پھر دوبارہ اسے مخاطب کیا۔

"تم لوگوں میں الغوخان کون ہے جس کے متعلق مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ چنگیز خان کا

نواسہ ہے۔“

جس شخص نے سلطان جلال الدین سے گفتگو کی تھی وہ دوبارہ بولا اور کہنے لگا۔

”میں ہی چنگیز خان کا نواسہ الغوخان ہوں۔“

سلطان جلال الدین خلجی اس کی طرف بڑھا اس کے سامنے آ کر کچھ دیر تک اس کا جائزہ لیا ہاتھ آگے بڑھا کر پر جوش انداز میں اس سے مصافحہ کیا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اگر تم لوگ خلوص دل کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہو تو پھر میں تم سب لوگوں کو اپنی سرزمینوں میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ میں تمہیں یہاں آباد کرنے کا بہترین اہتمام کروں گا۔ تمہاری رہائش، تمہاری ضروریات کا ایسا عمدہ انتظام کروں گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے اور تمہیں میری طرف سے کسی بھی قسم کی شکایت نہیں رہے گی۔“

سلطان جلال الدین خلجی کے ان الفاظ نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے ان منگولوں کو خوش کر دیا تھا سلطان جلال الدین خلجی کو چنگیز خان کے نواسے الغو خان کی شخصیت بھی پسند آئی تھی لہٰذا اسلام لانے والے منگولوں کو خوش کرنے کے لئے سلطان نے اس سے رشتہ جوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

سلطان نے اپنی دو بیٹیاں اپنے دونوں بھتیجوں علاؤ الدین خلجی اور الماس بیگ کو بیاہ دیں تھیں اب اس کی تیسری بیٹی رہتی تھی اور اس کا نکاح اس نے چنگیز خان کے نواسے الغو خان کے ساتھ پڑھا دیا تھا۔

سلطان جلال الدین خلجی کی بیٹی چونکہ اس وقت لشکر میں شامل تھی لہٰذا نکاح کے بعد دہیں دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ اس کے بعد شمال کی طرف سے حملہ آوروں کی یلغار کو

روکنے کے لئے سلطان جلال الدین نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کا بیٹا ارکلی خان ایک لشکر کے ساتھ مستقل طور پر ملتان میں قیام کرے گا۔ تاکہ شمال مغرب کی طرف سے اگر کوئی حملہ آور ہو تو بروقت اسے روکا جاسکے۔

الغو خان سے چونکہ سلطان جلال الدین نے اپنی بیٹی بیاہ دی تھی اور اب الغو خان چنگیز خان کا نواسہ کم اور سلطان جلال الدین خلجی کا داماد زیادہ تھا لہٰذا الغو خان کو بھی سلطان جلال الدین نے اپنے بیٹے ارکلی خان کے ساتھ ملتان میں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔

اس موقع پر الغو خان کے ساتھ جن منگولوں نے اسلام قبول کیا تھا ان سے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ انہوں نے غیاث پور میں قیام کیا جہاں شیخ نظام الدین اولیا آرام فرماتے تھے منگولوں نے اسی جگہ کو اپنا مستقر قرار دے کر اس مقام کا نام غیاث پور سے مغل پورہ رکھ دیا تھا۔

اس طرح سلطان جلال الدین نے بڑھاپے میں بھی منگولوں کے بہت بڑے لشکر کو بدترین شکست دی اور ان کے لشکر کے ایک خاصے بڑے حصے کو جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اپنی سلطنت میں آباد کر دیا۔ اس کے بعد سلطان جلال الدین تو اپنے لشکر کو لے کر دہلی کی طرف روانہ ہو گیا تھا جبکہ اس کا بیٹا ارکلی خان اور اس کا داماد الغو خان لشکر کا ایک حصہ لے کر ملتان کا رُخ کر گئے تھے۔



منگولوں کو شکست دینے، اپنے بیٹے اور داماد الغو خان کو ملتان کی طرف بھجوانے کے بعد سلطان جلال الدین خلجی نے ایک نئی مہم کی ابتداء کی۔ اپنے لشکر کو لے کر وہ نکلا اور مندو نام کے قلعے پر اس نے حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

مندو نام کا وہ قلعہ بھی بڑا مضبوط اور مستحکم تھا وہاں کے حاکموں سے سلطان جلال الدین خلجی کو بے شمار شکایات تھیں۔ سلطان کے کہنے پر جب انہوں نے اس کی شکایات کا ازالہ نہ کیا تب سلطان جلال الدین خلجی نے مندو پر حملہ آور ہو کر اسے اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

سلطان جب اپنا لشکر لے کر مندو کی طرف بڑھا تو اسے خیال تھا کہ جب مندو کے حکمران کو خبر ہو گی کہ میں اپنے لشکر کو لے کر دہلی سے نکلا ہوں اور اس پر حملہ آور ہونا چاہتا ہوں تو وہ مندو سے نکل کر اس کا استقبال کرے گا اطاعت اور فرمانبرداری پر آمادہ ہو جائے گا۔

سلطان جلال الدین خلجی پہلے ہی مندو کے حاکم سے برہم اور ناراض تھا سلطان جب مندو کے قریب گیا تو سلطان تو یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ وہ مندو سے نکل کر اس کا استقبال کرے گا اطاعت قبول کرے گا لیکن جب مندو کے حاکم نے ایسا نہ کیا تب اس کے خلاف جلال الدین کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس زوردار انداز میں قلعے پر حملہ آور ہوا کہ قلعہ زیادہ دیر تک اس کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔ سلطان جلال الدین خلجی

نے قلعے کو فتح کر لیا اور قلعے کو خوب تاخت وتاراج کر کے رکھ دیا تا کہ آنے والے دور میں پھر کوئی وہاں محصور رہ کر حکمرانوں کے لئے اذیت کا باعث نہ بنے۔

جن دنوں سلطان جلال الدین خلجی مندو نام کے قلعے پر حملہ آور ہونے کے لئے نکلا تھا ان ہی دنوں اس کا بھتیجا علاؤ الدین خلجی جو سلطان جلال الدین کی طرف سے کڑہ کا حاکم تھا اس نے بھی ایک مہم کی ابتداء کی۔

وہ کڑہ سے ایک لشکر لے کر نکلا اور بھیلسہ کا رُخ کیا۔ یہ مقام بھوپال کے نواح میں ہوا کرتا تھا۔

علاؤ الدین خلجی اس زوردار انداز میں بھیلسہ پر حملہ آور ہوا کہ بھیلسہ کے حکمران اپنے پاس خاصا بڑا لشکر رکھنے کے باوجود علاؤ الدین خلجی کے سامنے اپنا دفاع نہ کر سکے۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ علاؤ الدین خلجی نے اپنے طور پر بھیلسہ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ جس وقت سلطان جلال الدین خلجی دہلی سے مندو کی طرف روانہ ہوا تھا تو اس نے اپنے قاصد سلطان جلال الدین کی طرف روانہ کیے تھے اور سلطان سے اس نے بھیلسہ پر حملہ آور ہونے کی اجازت حاصل کی تھی جب سلطان جلال الدین خلجی کی طرف سے اس کے بھتیجے علاؤ الدین خلجی کو بھیلسہ پر حملہ آور ہونے کی اجازت مل گئی تب علاؤ الدین خلجی کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بڑے زوردار انداز میں اس نے بھیلسہ پر حملے شروع کر دیئے تھے بہر حال علاؤ الدین خلجی نے اپنے حملوں میں شدت پیدا کرتے ہوئے بھیلسہ کو فتح کر لیا اور بھیلسہ کے قلعے اور شہر کو اس نے جی بھر کے لوٹا۔

بھیلسہ میں اس وقت ایک بہت بڑا مندر تھا جس کے اندر دو بہت بڑے اور

نایاب بت رکھے گئے تھے۔ ان دونوں بتوں پر بھی علاؤالدین خلجی نے قبضہ کرلیا تھا۔

جس وقت علاؤالدین خلجی بھیلسہ کو فتح کرنے کے بعد بھیلسہ میں داخل ہوا اس وقت تک سلطان جلال الدین خلجی مندو کو فتح کر کے اور اسے اپنی سلطنت میں شامل کر کے دہلی شہر کی طرف چلا گیا تھا۔

علاؤالدین خلجی نے بھی بھیلسہ کو فتح کر کے وہاں سے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ بھیلسہ کا انتظام اس نے اپنے ایک امیر کے ہاتھ میں دیا اور مال غنیمت اور بھیلسہ سے ملنے والے ان دو نایاب بتوں کو لے کر وہ سلطان جلال الدین خلجی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے دہلی کی طرف روانہ ہوا تھا۔

دہلی پہنچنے کے بعد علاؤالدین خلجی نے جو دو بت بھیلسہ کے مقام سے حاصل کیے تھے وہ دہلی کے بدایوں دروازے میں توڑ کر شاہراہ پر ڈال دیئے تاکہ لوگوں کے پاؤں کے نیچے آ کر پامال ہوں۔ اس کے بعد بھیلسہ سے جس قدر مال غنیمت اور دوسرا قیمتی سامان حاصل کیا تھا وہ اپنے چچا جلال الدین خلجی کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔

سلطان جلال الدین خلجی اب علاؤالدین خلجی کا صرف چچا ہی نہیں بلکہ اس کا سسر بھی تھا۔ علاؤالدین خلجی کی اس خدمت سے جلال الدین خلجی بڑا خوش ہوا اس نے علاؤالدین کو شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کر کے اسے اودھ کے پورے صوبے کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔

اس موقع پر جلال الدین کے بھتیجے علاؤالدین نے سیاست سے کام لیا اس نے جب دیکھا کہ اس نے جو مال غنیمت اور دوسرا مال و اسباب اپنے چچا جلال الدین خلجی کی خدمت میں پیش کیا ہے اور اس کی وجہ سے وہ اس پر شاہانہ نوازشوں کی بارش کر رہا

ہے اور اس کے حال پر اس قدر مہربان ہے تو اس نے جلال الدین خلجی سے درخواست کی کہ چندر ہری کے آس پاس کے علاقوں میں جہاں بہت سے ہندو راجہ ہیں اور جن کے پاس بے شمار دولت ہے اسے ان پر حملہ آور ہونے کی اجازت دے دی جائے۔

علاؤ الدین خلجی نے سلطان جلال الدین خلجی سے یہ بھی کہا کہ جس علاقے کا آپ نے مجھے حاکم مقرر کیا ہے اگر مجھے اجازت ہو تو اس کی آمدنی سے میں ایک نیا اور بڑا لشکر تیار کروں اور پھر نئے لشکریوں کی تربیت اچھی طرح کر کے پرانے لشکریوں کے ساتھ ایک خاصا بڑا لشکر تیار کر کے آس پاس کے راجاؤں پر حملہ آور ہو کر انہیں شکست دوں اور اپنی سلطنت میں وسعت پیدا کروں۔

اس موقع پر اپنی نرم مزاجی اور سادہ دلی کی وجہ سے سلطان جلال الدین خلجی سے ایک غلطی ہوئی۔ وہ اپنے بھتیجے علاؤ الدین خلجی کی سیاست کو سمجھ نہ سکا تھا۔ علاؤ الدین نے اس سے ایک بہت بڑا لشکر تیار کرنے کی اجازت حاصل کی تھی اور ایسا کر کے علاؤ الدین اپنی طاقت اور قوت میں خوب اضافہ کر کے ہندوستان کا سلطان بننے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ اب جلال الدین خلجی کی مجبوری یہ تھی کہ ایک تو علاؤ الدین خلجی اس کا بھتیجا تھا دوسرے اس کا داماد چنانچہ اس پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے جلال الدین خلجی نے بغیر سوچے سمجھے علاؤ الدین کو اجازت دے دی کہ وہ جس قدر چاہے اپنے علاقوں کی آمدنی سے لشکر تیار کر سکتا ہے۔

یہاں یہ انکشاف بھی قابل ذکر ہو گا کہ علاؤ الدین خلجی کی اپنی چچی یعنی جلال الدین کی بیوی سے نہیں بنتی تھی۔ دونوں میں چپقلش رہتی تھی گو علاؤ الدین ان کا بھتیجا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا داماد بھی تھا لیکن جلال الدین خلجی کی بیوی علاؤ الدین کو

اچھا خیال نہیں کرتی تھی۔ اس بناء پر خود علاؤ الدین بھی اپنی چچی سے نالاں تھا اور وہ دور ہی رہ کر اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کر کے تخت و تاج کا مالک اور وارث بننے کا تہیہ کر چکا تھا۔

دوسری طرف جلال الدین خلجی کی بیوی اس کے مزاج پر پوری طرح حاوی تھی اور وہ اس کے مزاج میں اس قدر دخیل تھی کہ علاؤ الدین اپنے فائدے کی کوئی بات بادشاہ سے نہیں کر سکتا تھا۔ اس بناء پر اس نے لشکر بڑھانے کی اجازت حاصل کر کے ایک طرح سے اپنی طاقت اور قوت بڑھا کر تاج و تخت کا مالک بننے کا تہیہ کر لیا تھا۔

بھیلسہ کی فتح کے بعد جس قدر مال غنیمت علاؤ الدین کے ہاتھ لگا تھا وہ سارا جلال الدین خلجی کے حوالے کرنے اور وہاں چند روز قیام کرنے اور اسے ذاتی لشکر بڑھانے کی اجازت لے کر علاؤ الدین خلجی اودھ کی طرف چلا گیا تھا اس لئے کہ وہ اب اودھ کے پورے صوبے کا حاکم تھا پہلے صرف کڑہ اس کی نگرانی میں تھا اب وہ اس کی نسبت وسیع علاقوں کا حاکم تھا۔

دہلی سے روانہ ہونے کے بعد علاؤ الدین خلجی نے سب سے پہلے کڑہ شہر کا رخ کیا۔ کڑہ پہنچ کر اس نے سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ تھا کہ سابق سلطان غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجو کے حامی ان دنوں ادھر ادھر مارے مارے پھرتے تھے۔ پہلے وہ ملک چھجو کے ساتھ تھے ملک چھجو کڑہ کا حاکم تھا لہٰذا وہ ان کی خوب دیکھ بھال کرتا تھا اب وہ روزی رزق کی تلاش میں ادھر ادھر مارے پھرنے لگے تو علاؤ الدین نے فیصلہ کیا کہ یہ لوگ خوب جنگجو ہیں ترک ہیں لہٰذا ان سب کو اپنے لشکر میں شامل کر کے اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرے گا۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد اس نے سب سے پہلے ملک چھجو کے حامیوں کو اپنے پاس کڑہ میں جمع کرنا شروع کر دیا اور انہیں اپنے لشکر میں شامل کر لیا۔

اب علاؤ الدین خلجی دن رات محنت کر کے نا صرف نئے نئے لشکری بھرتی کر کے ان کی تربیت کا کام شروع کر چکا تھا بلکہ اس نے اپنے مخبر اور طلایہ گرد ارد گرد کے علاقوں کی طرف بھی پھیلا دیئے تھے تا کہ وہ اسے خبر دیں کہ آس پاس اور دور نزدیک کے علاقوں میں کون سا حکمران ہے جس پر حملہ کیا جائے اور اس سے کافی مال و دولت ہاتھ لگے۔ جس کے بل بوتے پر وہ ہندوستان کا بادشاہ بننے کی کوشش کرے۔

آخر جلال الدین کے بھتیجے علاؤ الدین خلجی کو اس کے مخبروں نے اطلاع دی کہ دکن کے علاقے میں دیوگڑھ نام کا ایک راجہ رام دیو ہے اس کے پاس ایک بہت بڑا خزانہ ہے جو نسل در نسل چلا آ رہا ہے ان مخبروں نے علاؤ الدین خلجی کو یہ بھی خبر دی کہ یہ خزانہ اس قدر بڑا ہے کہ اتنا بڑا خزانہ اور اس قدر مال و دولت دہلی کے سلطانوں میں سے بھی کسی کے پاس ایسا خزانہ نہ رہا ہو گا۔

اپنے مخبروں اور طلایہ گروں سے یہ خبر سننے کے بعد علاؤ الدین خلجی نے یہ تہیہ کر لیا کہ وہ ہر صورت میں دیوگڑھ کے راجہ رام دیو پر حملہ آور ہو کر اس کے پاس جو نسل در نسل صدیوں سے خزانہ چلا آ رہا ہے اس پر قبضہ کرنے کے بعد اس دولت سے اپنے لشکر میں مزید اضافہ کرے گا اور پھر اسی دولت کے بل بوتے پر ہندوستان کا سلطان بننے کی کوشش کرے گا۔

ان حالات کے تحت علاؤ الدین خلجی نے اپنے لشکر کا ایک حصہ تو اودھ ہی میں چھوڑا اور آٹھ ہزار سواروں کا ایک لشکر لے کر دیوگڑھ پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہوا۔

دیوگڑھ کی طرف جانے والے راستے انتہائی دشوار گزار اور جنگلوں سے گزرتے تھے۔ مختلف ویرانوں اور جنگلوں سے ہوتا ہوا علاؤالدین خلجی اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے آگے بڑھا اور جلد از جلد منزل مقصود تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں اگرچہ علاؤالدین کی یہ توقع عقل وفہم فراست سے بہت دور تھی لیکن اقبال مندی نے اس کا ساتھ دیا اور قسمت نے اس کے اس مشکل خیال کو بھی ممکن کر دکھایا۔

لگاتار سفر کرتے ہوئے علاؤالدین خلجی راستے میں دوروز کے لئے ٹھہرا وہاں قیام کر کے اپنے لشکریوں کو آرام کرنے اور ستانے کا موقع فراہم کیا اس کے بعد اس نے بڑی تیزی سے دیوگڑھ کی طرف بڑھنا شروع کیا تھا۔

اس موقع پر حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ سلطان جلال الدین خلجی کی طرف سے علاؤالدین کڑہ اور دوسرے علاقوں کا حاکم تھا۔ دیوگڑھ کی جس مہم پر نکلا تھا ایسی مہم پر جانے کے لئے اس پر لازم تھا کہ پہلے سلطان جلال الدین خلجی سے کسی علاقے پر حملہ آور ہونے کی اجازت حاصل کرتا لیکن علاؤالدین خلجی پر دیوگڑھ پر حملہ آور ہونے کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ اس کے مخبروں نے جب اطلاع دی کہ دیوگڑھ میں ایک بہت بڑا خزانہ ہے اور راجہ رام دیو کے پاس اس خزانے کے علاوہ بھی بہت سامال و دولت ہے جو کسی دوسرے راجہ کے پاس نہ ہوگا لہٰذا علاؤالدین نے دیوگڑھ کے راجہ رام دیو کی ہر چیز پر قبضہ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا اور اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے اس نے جلال الدین خلجی سے دیوگڑھ پر حملہ آور ہونے کے لئے اجازت بھی حاصل نہ کی تھی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ علاؤالدین خلجی کڑہ سے نکل کر سارے راستے شکار کھیلتا رہا

اوراس عالم میں منزل پر منزل مارتے ہوئے مسافتیں بھی طے کرتا رہا۔ دیکھنے والے کی نگاہیں یہ اندازہ لگا رہی تھیں کہ علاؤ الدین خلجی ان دنوں فارغ ہے لہٰذا دور دراز کے علاقوں میں شکار کرنے کے لئے نکلا ہوا ہے دیوگڑھ کی طرف بڑھتے ہوئے راستے میں چھوٹے چھوٹے راجاؤں کی کئی راجدھانیاں پڑتی تھیں لیکن ان میں سے علاؤ الدین نے کسی پر حملہ آور ہو کر اسے نقصان نہ پہنچایا۔ آباد علاقوں سے ادھر ادھر ہوتا ہوا جنگلوں ویرانوں سے گزرتا ہوا وہ آگے بڑھتا رہا اس موقع پر اپنے چند خاص سالاروں کے سوا علاؤ الدین خلجی نے یہ تک ظاہر نہ کیا تھا کہ اس کی منزل کیا ہے کس پر حملہ آور ہونے کے لئے وہ نکلا ہے۔

دو ماہ کے بعد علاؤ الدین خلجی اپنے لشکر کے ساتھ دفعتاً دکن کے ایک مشہور شہر ایلچ پور جا پہنچا۔ یہاں پہنچ کر علاؤ الدین خلجی نے سیاست سے کام لیا۔ وہاں قیام کر کے اس نے اپنے مخبر اور طلایہ گر ادھر ادھر پھیلا دیئے اور یہ مشہور کرا دیا کہ وہ دہلی کے بادشاہ جلال الدین خلجی کی ملازمت چھوڑ کر دکن کے علاقوں کی طرف آ گیا ہے اور اب ان علاقوں میں وہ چاہتا ہے کہ تلنگانہ کے راجہ راج مندری کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی ملازمت اختیار کر لے۔ یہ افواہ پھیلانے سے علاؤ الدین کا مقصد یہ تھا کہ کوئی اسے مشکوک نہ سمجھے اور نہ ہی راستے میں اس پر کوئی حملہ آور ہونے کی کوشش کرے۔ ایک طرح سے دکن کے چھوٹے بڑے حکمرانوں کے ذہن میں اس نے یہ بات ڈال دی تھی کہ وہ اپنے چچا جلال الدین خلجی کے خلاف بغاوت اور سرکشی اختیار کرتے ہوئے دکن کا رخ کیے ہوئے ہے اور اب وہ تلنگانہ کے راجہ کی ملازمت اختیار کر کے آٹھ ہزار کے لشکر جو وہ لے کر آیا ہے اس کے ساتھ یہیں قیام کرے گا۔

یہ افواہ پھیلانے کے بعد علاؤ الدین خلجی نے بڑے پرسکون انداز میں ایلچ پور میں قیام کیا۔ یہاں اس نے اپنے لشکریوں اور سالاروں کو ستانے اور آرام کرنے کا خوب موقع فراہم کیا اس کے بعد ایک دم ایلچپور سے کوچ کیا اور بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ وہ دیوگڑھ پہنچ گیا۔

علاؤ الدین خلجی کی خوش قسمتی کہ جس وقت وہ دیوگڑھ پہنچا اس وقت دیوگڑھ کا راجہ بذات خود تو دیوگڑھ میں موجود تھا لیکن اس کی رانی اور بیٹا ایک مندر کی زیارت کے لئے گئے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ایک خاصا بڑا لشکر بھی تھا۔

دیوگڑھ کے راجہ رام دیو کو جب خبر ہوئی کہ علاؤ الدین خلجی نہ ہی اپنے چچا جلال الدین خلجی سے ناراض ہو کر ان علاقوں کا رُخ کر رہا ہے اور نہ ہی وہ تلنگانہ کے راجہ راج مندری کے ہاں ملازمت اختیار کرنے کے لئے آیا ہے بلکہ وہ تو دیوگڑھ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔

یہ انکشاف ہونے کے بعد دیوگڑھ کے راجہ رام دیو نے ایک لشکر علاؤ الدین خلجی کی راہ روکنے کے لئے روانہ کیا۔

دیوگڑھ سے لگ بھگ دو کوس کے فاصلے پر رام دیو کا لشکر علاؤ الدین اور اس کے لشکریوں کی راہ روکے کھڑا ہوا تھا۔ وہاں علاؤ الدین خلجی اور راجہ رام دیو کے لشکر کے درمیان جنگ شروع ہوئی دونوں طرف کے لشکری ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ رام دیو کا لشکر ہر صورت میں علاؤ الدین کو پسپا کر کے واپس بھاگنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا دوسری طرف علاؤ الدین خلجی بھی تہیہ کیے ہوئے تھا کہ راجہ رام دیو کے لشکر کو شکست دے کر وہ ہر صورت میں دیوگڑھ پر قبضہ کر کے رہے گا۔

علاؤالدین ویسے بھی یہ سارا کام بہت جلد نبٹانا چاہتا تھا اسے اس کے مخبروں نے اطلاع کردی تھی کہ دیوگڑھ کے راجہ رام دیو کا بیٹا اور رانی لشکر کا ایک بہت بڑا حصہ لے کر دور دراز کے ایک مندر کی زیارت کے لئے گئے ہوئے ہیں اس بناء پر علاؤالدین کو بھی احساس تھا کہ رام دیو کے بیٹے کی آمد سے پہلے ہی پہلے اسے دیوگڑھ فتح کر لینا چاہیے۔ اسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ اگر دیوگڑھ کو فتح کرنے میں تاخیر سے کام لیا گیا اور اس دوران راجہ رام دیو کا بیٹا اور اس کی رانی جس لشکر کے ساتھ گئے ہوئے ہیں وہ لشکر لے کر لوٹ آئے تب علاؤالدین خلجی کے لئے دشواریاں کھڑی ہو سکتی تھیں۔ اس لئے کہ علاؤالدین کے پاس اس وقت آٹھ ہزار سواروں کا ایک چھوٹا سا لشکر تھا۔

راجہ رام دیو نے اپنے جس لشکر کو علاؤالدین خلجی کی راہ روکنے کے لئے روانہ کیا تھا، دیوگڑھ سے دو کوس کے فاصلے پر اس کا ٹکراؤ علاؤالدین خلجی سے ہوا اور علاؤالدین خلجی نے رام دیو کے اس لشکر کو بدترین شکست دی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جس وقت راجہ رام دیو کے لشکری علاؤالدین کے لشکر سے ٹکرائے تو وہ بڑے بدحواس ہوئے اس لئے کہ وہ لوگ مسلمانوں کی تیغ زنی اور تیر اندازی اور طریقہ جنگ سے ناواقف تھے اس لئے جب جنگ کے دوران انہیں مسلمانوں کی نئی طرح کی تیغ زنی اور تیر اندازی کا سامنا کرنا پڑا تو وہ گھبرا کر پہلے ہی حملے میں شکست اُٹھا کر فرار ہو گئے اور سیدھے دیوگڑھ کی طرف بھاگے۔

مسلمانوں نے راجہ رام دیو کے لشکر کو شکست دینے کے بعد ان کا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ جب یہ شکست خوردہ لشکری دیوگڑھ پہنچے تب دیوگڑھ کا راجہ رام دیو بڑا پریشان ہوا۔ ان دنوں اس نے دیوگڑھ شہر کے اندر جو اس کا قصر تھا اس میں قیام کیا ہوا

تھا اسے جب علاؤالدین خلجی کے ہاتھوں اپنے لشکر کی شکست کا حال معلوم ہوا تو بڑا فکر مند ہوا اسی دوران شکست خوردہ لشکری بھی شہر میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ساتھ ہی راجہ رام دیو کو یہ بھی خبریں ملنے لگی تھیں کہ علاؤالدین اس کے لشکر کو شکست دینے کے بعد بڑی برق رفتاری سے تعاقب کرتا ہوا دیوگڑھ کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔

یہ صورت حال رام دیو کے لئے یقیناً تشویش ناک تھی لہٰذا شہر کے قصر سے نکل کر اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر وہ شہر کے قلعے میں محصور ہو گیا۔ قلعے کے سارے دروازے اس نے بند کر دیئے قلعے کی فصیل کے اوپر اس نے محافظ مقرر کر دیئے اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ قلعے میں محصور رہ کر علاؤالدین خلجی کا مقابلہ کرے گا اسے یہ بھی امید تھی کہ بہت جلد اس کی رانی اور اس کا بیٹا لوٹیں گے ان کے ساتھ کیونکہ لشکر کا بہت بڑا حصہ تھا لہٰذا راجہ رام دیو یہ امید لگائے بیٹھا تھا۔ اگر دیوگڑھ میں داخل ہونے کے بعد علاؤالدین خلجی نے اس کے قلعے کا محاصرہ کر لیا تو یہ محاصرہ زیادہ دن جاری نہیں رہ سکے گا اس لئے کہ بہت جلد رام دیو کا بیٹا اپنے لشکر کو لے کر لوٹے گا، جب ایسا ہو گا تو باہر کی طرف سے علاؤالدین پر رام دیو کا بیٹا حملہ آور ہو گا۔ ساتھ ہی شہر کے لوگ بھی اُٹھ کھڑے ہوں گے اور حملہ آوروں پر حملہ آور ہو کر انہیں نقصان پہنچائیں گے اس کے ساتھ ہی رام دیو کا یہ بھی ارادہ تھا کہ اس کا بیٹا لوٹ کر جب باہر کی طرف سے حملہ آور ہو گا اور شہر کے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوں گے تب وہ بھی قلعے سے اپنے لشکر کے ساتھ نکل کر حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے گا اس طرح علاؤالدین خلجی کوئی کامیابی یا دیوگڑھ سے کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر شکست اُٹھا کر واپس جانے پر مجبور ہو جائے گا۔

جن دنوں علاؤالدین خلجی کے مقابلے میں راجہ رام دیو کے لشکر کو شکست ہوئی

تھی اور لشکری بھاگ کر قلعے میں داخل ہونے کے لئے آئے تھے ان ہی دنوں شہر کے اندر کچھ سوداگروں نے قیام کیا ہوا تھا۔ وہ نمک کے سوداگر تھے اس وقت ان کے پاس لگ بھگ تین ہزار نمک کے بورے تھے جو انہوں نے قلعے کے پاس ڈھیر کی صورت میں جمع کر رکھے تھے ان سوداگروں کو جب خبر ہوئی کہ راجہ رام دیو کے لشکر کو علاؤ الدین خلجی کے ہاتھوں شکست ہوئی ہے شکست خوردہ لشکری بھاگ کر قلعے میں داخل ہو رہے ہیں اور ان کے پیچھے ہی پیچھے علاؤ الدین خلجی بھی اپنے لشکر کے ساتھ دیوگڑھ کا رُخ کیے ہوئے ہے تب وہ سوداگر بڑے پریشان ہوئے نمک کے بورے وہیں چھوڑ کر وہ اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے۔

اب جس وقت رام دیو اپنے تحفظ کی خاطر قلعے کے اندر محصور ہونے لگا اس وقت اس نے اور اس کے لشکریوں نے دیکھا کہ تین ہزار کے لگ بھگ بورے پڑے ہوئے تھے اور یہ سارا سامان سوداگروں کا تھا جو اپنا سامان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ تب رام دیو اور اس کے لشکریوں نے یہ خیال کیا کہ یہ بورے غلے کے ہیں اس بناء پر رام دیو نے حکم دیا کہ ان سارے بوروں کو قلعے کے اندر منتقل کر دیا جائے رام دیو کا خیال تھا کہ محاصرے نے طول پکڑا تو یہ جو غلے کے بورے ہیں یہ قلعے کے اندر کام آئیں گے اور ایک لمبا عرصہ تک علاؤ الدین خلجی کا مقابلہ کر کے قلعے کے اندر محصور رہا جا سکے گا۔

علاؤ الدین خلجی بھی راجہ رام دیو کے شکست خوردہ لشکر کے پیچھے پیچھے دیوگڑھ میں داخل ہوا تھا شہر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے چالیس ہاتھی اس کے ہاتھ لگے۔ شہر سے اسے مال و دولت کی صورت میں بھی بہت کچھ ملا اور شہر کے اندر اس وقت جس قدر گھوڑے تھے ان پر بھی علاؤ الدین خلجی نے قبضہ کر لیا تھا۔

دیوگڑھ میں داخل ہونے کے بعد علاؤالدین خلجی کو یہ احساس تھا کہ راجہ قلعے میں محصور ہوگیا ہے اور اگر قلعے کا محاصرہ طول پکڑے گا تو راجہ کا بیٹا جو اپنی رانی ماں کے ساتھ باہر گیا ہوا ہے وہ لوٹے گا اور علاؤالدین پر دوطرفہ حملے شروع ہوجائیں گے ان سارے خدشات سے نبٹنے کے لئے علاؤالدین خلجی نے دیوگڑھ میں داخل ہونے کے بعد ایک سیاسی چال چلی۔

علاؤالدین خلجی نے اپنے منادوں اور مخبروں کے ذریعے دیوگڑھ شہر اور قلعے کے علاوہ آس پاس کے علاقوں میں بھی یہ مشہور کر دیا کہ مسلمان سواروں کا ایک دوسرا لشکر بھی فلاں فلاں راستے سے دیوگڑھ پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے۔

یہ کارروائی کرنے کے بعد علاؤالدین خلجی نے شہر کے اندر ہر کارآمد چیز پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ دیوگڑھ کی سرزمین جس نے ہزاروں سال سے کسی حملہ آور کے گھوڑوں کی ٹاپیں نہ سنی تھیں وہ علاؤالدین خلجی کی لوٹ مار اور تباہ و بربادی کا خوب شکار ہوئی۔

بعد ازاں علاؤالدین خلجی نے قلعے پر چڑھائی شروع کر دی قلعے کا اس نے بڑی سختی کے ساتھ محاصرہ کر لیا۔ دوسری طرف راجہ رام دیو کو خبر ہوئی کہ یہ تو مسلمانوں کا پہلا لشکر ہے ایک اور لشکر بھی اس کے پیچھے پیچھے دیوگڑھ کا رخ کیے ہوئے ہے تب وہ بڑا بدحواس ہوا۔ اسے اندیشہ ہوا کہ اگر دونوں لشکر یہاں جمع ہوگئے تو دیوگڑھ کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر کے رکھ دیں گے اس لئے اس نے یہ طے کیا کہ اس سے پہلے کہ مسلمانوں کا دوسرا لشکر پہنچے علاؤالدین خلجی سے صلح کر لینا ہی مناسب ہوگا۔

گو دوسرا کوئی لشکر نہیں آ رہا تھا لیکن جو افواہیں علاؤ الدین خلجی نے اڑائی تھیں بہر حال وہ اپنا کام کرنے لگی تھیں۔

یہ ارادہ کرنے کے بعد راجہ رام دیو نے اس خیال کے پیش نظر اپنے خاص معتبرین کو جس میں اکثر براہمن قوم سے تعلق رکھتے تھے علاؤ الدین خلجی کی طرف روانہ کیے اور علاؤ الدین خلجی کو یہ پیغام دیا کہ اس شہر میں تمہارا آنا حکمت دور اندیشی احتیاط سے بہت دور ہے۔

راجہ نے یہ بھی کہا کہ ہمارا شہر کیونکہ لشکر سے خالی ہے اس لیے تم نے غلبہ پا کر جو چاہا کر لیا لیکن اپنی اس فتح پر تمہیں مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ آس پاس کے علاقوں سے عنقریب ہمارا عظیم الشان لشکر جو تعداد کے لحاظ سے اپنا جواب آپ ہے دیوگڑھ پہنچ کر تمہیں درست کر دے گا اور تم میں سے ایک شخص کو بھی نہ چھوڑے گا اور اگر اتفاق سے تم اس لشکر کی گرفت میں نہ آ سکے تو مالوہ کا راجہ جس کے پاس اس وقت چالیس ہزار سواروں اور پیادوں کا عظیم الشان لشکر ہے اور اس کے علاوہ خان دلیش کونڈواڑہ کے راجے جو بڑے بڑے لشکر رکھتے ہیں تمہارے ارادوں سے باخبر ہو کر راستے ہی میں تمہیں دبوچ لیں گے۔ تمہارے لشکر کے پرخچے اڑا دیں گے اور تم میں سے کسی کو بھی دہلی جانا یا کڑہ کا رُخ کرنا نصیب نہ ہوگا۔

ان حالات میں تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ اس سے پہلے کہ آس پاس کے سارے راجہ تمہارے حملے سے باخبر ہو کر تمہارے خلاف کوئی کارروائی کرنے پر تل جائیں تم یہاں سے چلے جاؤ۔ تم نے ہمارے جن مہاجنوں اور رعایا کو گرفتار کیا ہے ان سے نعل بہا یعنی آزاد کرنے کا معاوضہ لے کر انہیں چھوڑ دو۔

علاؤالدین خلجی نے عاقبت اندیشی اور احتیاط سے کام لیتے ہوئے دیوگڑھ کے راجہ رام دیو کی شرائط مان لیں اور قیدیوں سے اس سلسلے میں بات چیت کی۔ اس نے دیوگڑھ کے بہت سے ساہوکاروں اور دیگر صاحب ثروت لوگوں کو گرفتار کرلیا تھا۔ یہ بات چیت کرنے کے بعد ان کی رہائی کے سلسلے میں انہوں نے علاؤالدین خلجی کو پچاس من سونا کئی من موتی اور بیش قیمت کپڑے دینے کا وعدہ کیا۔ علاؤالدین خلجی نے یہ سارا سامان قبول کرلیا اور یہ طے پایا کہ پندرہ دن کے بعد علاؤالدین خلجی صبح کے وقت قیدیوں کو رہا کر کے دیوگڑھ سے روانہ ہو جائے گا۔

لیکن حالات یکسر تبدیل ہو گئے اس لئے کہ راجہ رام دیو کا بیٹا اس کی رانی جو باہر گئے ہوئے تھے جن کے ساتھ ایک بہت بڑا لشکر تھا انہیں خبر ہو گئی تھی کہ دیوگڑھ پر علاؤالدین خلجی نے حملہ کر دیا ہے لہٰذا رام دیو کے بیٹے نے اپنے لشکر کو علاؤالدین کی روانگی کے وقت دیوگڑھ سے تین کوس کے فاصلے پر کھڑا کر دیا۔ اس دوران تک علاؤالدین خلجی اس شہر کے سرکردہ قیدیوں سے پچاس من سونا اور منوں کے حساب سے بیش قیمت موتی اور کپڑا وصول کر چکا تھا۔ رام دیو کا بیٹا یہ ٹھانے ہوئے تھا کہ یہ ساری چیزیں لے کر جب علاؤالدین خلجی اپنے لشکر کے ساتھ کڑہ کی طرف جانے کے لئے نکلے گا تو وہ دیوگڑھ کے نواح میں اس کی راہ روک کر کھڑا ہوگا اور اس پر حملہ آور ہو کر اسے تباہ و برباد کر دے گا۔

دیوگڑھ میں جب راجہ رام دیو کو اپنے بیٹے کی ان تیاریوں کا علم ہوا تو اس نے اپنے ایک خاص آدمی کو اپنے بیٹے کے پاس بھیجا اور اس سے کہلوایا۔

”جو کچھ ہماری قسمت میں لکھا تھا وہی کچھ ہوا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم

لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ رعایا پر واقعی ظلم ہوا ہے تم اس کا خیال نہ کرو اس کی تلافی کر دی جائے گی ہمارے لئے مسلمانوں سے جنگ کرنا مناسب نہیں ہے یہ عجیب جنگجو قوم ہے اس سے مقابلہ نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔"

لیکن رام دیو کے بیٹے نے اپنے باپ کی نصیحت پر کوئی عمل نہ کیا اس لئے کہ اس کے پاس اس وقت جو لشکر تھا وہ علاؤ الدین خلجی کے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھا۔ ساتھ ہی اس نے آس پاس کے راجاؤں سے بھی علاؤ الدین خلجی کے خلاف مدد طلب کر لی تھی۔ اس طرح رام دیو کے بیٹے اور دوسرے راجاؤں نے مل کر ایک طرح سے علاؤ الدین خلجی اور اس کے آٹھ ہزار کے لشکر کو گھیر کر ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

دوسری طرف علاؤ الدین بھی دبنے والا نہیں تھا اسی دوران راجپوتوں نے علاؤ الدین کو یہ پیغام بھیجا۔

اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو فوراً جو کچھ مال و دولت تم نے شہر سے حاصل کیا ہے وہ واپس اُن لوگوں میں تقسیم کر دو جن لوگوں سے لیا گیا ہے اور اپنی سرزمینوں کو واپس چلے جاؤ اس کو غنیمت جانو اگر ایسا نہیں کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔

راجپوتوں کی یہ دھمکی سن کر علاؤ الدین خلجی تاؤ کھا گیا، غصے میں آ گیا اور اس نے راجپوتوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی یہ دھمکی دے کر جس قاصد کو رام دیو کے بیٹے نے روانہ کیا تھا علاؤ الدین خلجی نے اس کا منہ کالا کر کے سارے شہر میں گھمایا۔

اب علاؤ الدین خلجی کے لئے دو محاذ کھل گئے تھے۔ ایک دیوگڑھ کے اندر ایک دیوگڑھ کے نواح میں تین کوس کے فاصلے پر۔ لیکن علاؤ الدین ذات کا ترک تھا جنگ کا بڑا تجربہ رکھتا تھا اس نے اپنے ایک سالار ملک نصرت کو صرف ایک ہزار سواروں کے

ساتھ دیوگڑھ میں چھوڑا اور باقی سات ہزار لشکر کو لے کر رام دیو اور اس کے ساتھ راجپوتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے دیوگڑھ سے نکلا۔

دیوگڑھ سے تین کوس کے فاصلے پر علاؤ الدین خلجی اور رام دیو کے بیٹے کے علاوہ دوسرے راجپوتوں کا ٹکراؤ ہوا۔ جنگ کا بازار گرم ہوا۔ رام دیو کے لڑکے اور آس پاس کے راجاؤں کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ دوسرے یہ لوگ بڑی جانبازی اور جرأت سے علاؤ الدین خلجی پر حملہ آور ہوئے تھے لیکن علاؤ الدین خلجی بڑی دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے حملوں کو روکتے ہوئے ان کے خلاف جوابی کارروائی کر رہا تھا۔

عین اس وقت جب جنگ اپنے عروج پر آئی تھی ملک نصرت جسے علاؤ الدین خلجی ایک ہزار جنگجوؤں کے ساتھ دیوگڑھ میں چھوڑ کر آیا تھا وہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور راجپوتوں کے لشکر پر ایک طرف سے حملہ آور ہو گیا۔

ملک نصرت کا یہ حملہ کارگر ثابت ہوا۔ راجپوت یہ سمجھے کہ مسلمانوں کا کوئی دوسرا لشکر ان پر حملہ آور ہونے کے لئے پہنچ گیا ہے لہٰذا وہ سہم گئے خوفزدہ ہو گئے اور اس خیال کے تحت راجپوتوں کے لشکر کی حالت افراتفری کا شکار ہو کر رہ گئی تھی۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علاؤ الدین خلجی اور ملک نصرت کے تیز حملوں کے سامنے راجپوت بدحواس ہو کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس طرح دیوگڑھ کے نواح میں علاؤ الدین کو فتح حاصل ہوئی۔ اس کامیابی کے بعد اس نے پھر دیوگڑھ کا رُخ کیا اور ازسر نو دیوگڑھ کے قلعے کا اس نے محاصرہ کر لیا۔

اس بار اس نے محاصرہ میں زیادہ شدت پیدا کی۔ جنگ کے دوران جو مہاجن

اور برہمن اس کے ہاتھ لگے تھے انہیں اس نے قتل کر دیا باقی قیدیوں کو جو رام دیو کے رشتہ دار تھے ان کے پاؤں میں زنجیریں اور گردنوں میں طوق ڈال کر قلعے کے سامنے کھڑا کر دیا۔

رام دیو بڑا پریشان ہوا۔ اس دوران اسے یہ بھی خبر پہنچ چکی تھی کہ علاؤ الدین خلجی نے اس کے بیٹے کے علاوہ دوسرے راجپوتوں کو شکست دی ہے۔ جب علاؤ الدین خلجی نے اس کے ساتھیوں اور مقربین کے پاؤں میں زنجیریں اور گردنوں میں طوق ڈال کر قلعے کے قریب کھڑا کر دیا تب رام دیو نے فیصلہ کیا کہ وہ اکیلا تو علاؤ الدین کا مقابلہ نہیں کر سکتا لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ گونڈواڑہ، مالوہ اور خاندیش کے راجاؤں کی طرف پیغام بھجوائے اور ان کے خلاف علاؤ الدین خلجی سے مدد طلب کرے۔

پھر رام دیو کی بدقسمتی کہ اس دوران قلعے کے اندر غلے کی کمی محسوس ہونے لگی۔ رام دیو اس بھروسے میں تھا کہ قلعے کے باہر سے جو بورے اندر لائے گئے ہیں ان میں غلہ ہے لہٰذا وہ کافی عرصہ قلعے میں محصور لشکر کے کام آ سکتا ہے لیکن ان میں غلہ نہیں نمک تھا۔ غلے کی جگہ نمک دیکھ کر راجہ بڑا پریشان ہوا۔

غلے کی کمی محسوس کی گئی تو رام دیو کو بڑی تشویش ہوئی۔ آخر بہت غور و فکر کے بعد رام دیو نے ایک قاصد علاؤ الدین خلجی کے پاس بھجوایا رام دیو نے یہ ظاہر نہ کیا کہ قلعے کے اندر اناج کی کمی محسوس ہو رہی ہے اس نے علاؤ الدین خلجی کو کہلوایا۔

"آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس جنگ سے میرا کوئی تعلق نہیں میرے بیٹے نے جہالت اور جوانی کے غرور کے نشے میں آ کر جنگ کی تھی مجھے امید ہے کہ بیٹے کی غلطیوں کی سزا مجھے نہ دی جائے گی۔"

جو قاصد یہ خط لے کر روانہ ہوا اسے رام دیو نے پوشیدہ طور پر یہ کہہ دیا کہ قلعے میں غلہ بالکل نہیں ہے اگر مسلمانوں نے تین چار روز تک اور محاصرہ جاری رکھا تو اہل قلعہ فاقوں کی وجہ سے مر جائیں گے اس لئے تم یہ کوشش کرنا کہ صلح آج ہی ہو جائے۔ ساتھ یہ بھی کوشش کرنا کہ علاؤالدین پر غلے کی کمی کا راز فاش نہ ہو۔

راجہ کا قاصد علاؤالدین خلجی کے پاس پہنچا اور اسے راجہ کا پیغام دیا۔ علاؤالدین کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ قلعے میں غلہ بالکل نہیں ہے اس لئے اس نے صلح کرنے میں بہت دیر لگائی آخر کار راجہ کے قاصدوں نے بڑی خوشامد کر کے اس شرط پر صلح کی کہ رام دیو اس وقت علاؤالدین خلجی کو چھ سو من سونا، سات من موتی، دو من لعل یاقوت الماس اور زمرد، ایک ہزار من چاندی چار ہزار ریشمی کپڑے اور بہت سی دوسری اشیاء جن کی بڑی لمبی فہرست تھی علاؤالدین خلجی کو پیش کرے گا۔

ساتھ ہی ان ایلچیوں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ ایلچ پور کا صوبہ بھی راجہ رام دیو علاؤالدین کے قبضے میں دے گا اور اگر وہ ایسا نہ کرنا چاہے تو اس صوبے کا سالانہ موصول سال ہا سال علاؤالدین خلجی کی طرف روانہ کیا جاتا رہے گا۔

ان تمام اشیاء اور نذرانوں کے عوض علاؤالدین سارے قیدیوں کو رہا کر دے اور وہ لشکر جو دہلی سے دکن کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوا اسے رستے ہی سے واپس کر دے۔ نیز وہ یہ بھی کام کرے کہ دہلی کے سلطان جلال الدین خلجی اور رام دیو کے درمیان صلح کروا کر ایسے مضبوط تعلقات قائم کروا دے کہ پھر دونوں سلطنتوں میں جنگ نہ ہو۔

علاؤالدین خلجی نے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ سارا سامان اس نے وصول کر لیا جن لوگوں کو اس نے قید کیا تھا انہیں آزاد کر دیا پچیس روز تک اس نے دیوگڑھ میں

قیام کیا اس کے بعد سارا سامان گھوڑے ہاتھی وغیرہ لے کر وہ دیوگڑھ سے روانہ ہو گیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ جس قدر مال و دولت، جواہرات، مال و اسباب، ہاتھی، گھوڑے علاؤ الدین خلجی کو دیوگڑھ سے حاصل ہوئے اتنی دولت کبھی کسی دہلی کے بادشاہ کے پاس بھی جمع نہ ہوئی ہوگی۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اکثر اوقات غیبی امداد کا ظہور مختلف حکمرانوں کے حق میں ہو جاتا ہے اور اس طلسمات جہاں میں اکثر اقبال مندوں کے ناممکن منصوبے بھی ان کی خوش قسمتی سے ممکن بن کر رہ جاتے ہیں۔ لیکن قدرت نے جس طرح علاؤ الدین خلجی کی مدد کی اس کی مثال مشکل سے ملے گی جتنی دولت اس کے قبضے میں آئی اتنی شاید ہی کسی اور کو میسر ہوئی ہو یہ تو ظاہر ہی ہے کہ کڑہ سے لے کر دیوگڑھ تک کتنی طویل مسافت تھی۔ اتنی طویل مسافت کو طے کرنا ہی بہت بڑا کام تھا دوسرے مالوہ کونڈواڑہ اور خان دیش وغیرہ کے راجاؤں کے ہاتھوں سے صحیح سلامت نکل آنا خوبی قسمت کی بہت بڑی دلیل ہے مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ دشمن کا دیوگڑھ کے نواح سے نمک کے بوروں کو غلہ سمجھ کر قلعے میں لے جانا اور علاؤ الدین کا تھوڑے سے دنوں میں اتنی بے شمار دولت کو حاصل کر لینا پھر انہیں دشمنوں کے درمیان سے صحیح سلامت نکلنا، تمام مشکلات کو جھیل کر واپس ہونا کوئی معمولی اور آسان بات نہ تھی۔



جن دنوں علاؤ الدین خلجی کڑہ سے نکل کر راجہ رام دیو کے علاقے دیوگڑھ پر حملہ آور ہونے کے لئے چلا گیا تھا ان دنوں سلطان جلال الدین خلجی کو جب علاؤ الدین کی طرف سے کوئی خبر نہ ملی تب وہ کسی قدر پریشان ہوا۔ البتہ علاؤ الدین خلجی دیوگڑھ جانے کے بعد جو اپنا نائب مقرر کر کے گیا تھا وہ اس کی عدم موجودگی میں کڑہ کی حکومت کے فرائض انجام دیتا رہا۔ کبھی کبھار وہ جلال الدین کی خدمت میں اس مضمون کا خط بھی لکھ دیتا کہ علاؤ الدین آج کل کسی باغی کی غارت گری میں مصروف ہے اور عنقریب اپنے حالات تفصیل کے ساتھ جلال الدین کو لکھ بھیجے گا۔

اس طرح چھ ماہ گزر گئے۔ اس دوران علاؤ الدین کا ایک خط بھی بادشاہ کی خدمت میں نہ آیا اسی زمانے میں علاؤ الدین کی بغاوت کی افواہیں ایک پیش گوئی کی طرح دہلی کے ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر آئیں۔ جلال الدین کو اپنی بیوی اور علاؤ الدین کی باہمی ناراضگی کی کیفیت معلوم تھی لیکن یہ نیک طبیعت اور رحم دل بادشاہ علاؤ الدین کی طرف سے قطعاً بدگمان نہ ہوا۔

ان افواہوں کے بعد سلطان جلال الدین خلجی اپنے لشکر کے ساتھ نکلا۔ شکار کا ارادہ کیا اور اس سلسلے میں اس نے گوالیار کا رخ کیا چند ماہ تک اس نے گوالیار میں قیام کیا اور وہاں ایک بہت بڑا اور بلند گنبد تعمیر کروایا اور ایک چبوترہ بنوایا۔

انہی دنوں میں جلال الدین خلجی کو یہ خبریں ملیں کہ علاؤ الدین نے دیوگڑھ رتنج

کرلیا ہے لیکن خود علاؤ الدین کی طرف سے کوئی اطلاع نہ آئی جلال الدین خلجی کو یہ بھی اطلاع ملی کہ دیوگڑھ کی فتح سے علاؤ الدین کو اتنا مال اسباب اور دولت ہاتھ آئی ہے کہ اس سے پہلے کسی بادشاہ کو میسر نہ ہوئی ہوگی۔ پہلے تو سلطان جلال الدین کو یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ اس کا بھتیجا علاؤ الدین کڑہ سے نکل کر دیوگڑھ پر حملہ آور ہوا ہے اور اس نے علاؤ الدین خلجی کی اقبال مندی اور اس کی کامیابی کو اپنی رفعت شان سمجھا۔

لیکن جلال الدین کے وہ مقربین جو عاقبت اندیش اور بالغ نظر تھے ان کی نگاہیں کچھ اور ہی دیکھ رہی تھیں انہیں یہ معلوم تھا کہ جلال الدین کی بیوی اور علاؤ الدین میں رنجش رہی ہے اس کے علاوہ یہ امر بھی ان کی نگاہوں میں تھا کہ علاؤ الدین نے بادشاہ کی اجازت کے بغیر دکن کی مہموں کو سر کر کے کثیر دولت حاصل کی ہے ان لوگوں کو یقین تھا کہ اس دولت کی وجہ سے علاؤ الدین جلال الدین کے خلاف بغاوت بھی کھڑی کر سکتا ہے لیکن وہ اپنے ان خیالات کا اظہار بادشاہ کے سامنے نہ کر سکتے تھے۔

گوالیار میں ایک روز جلال الدین خلجی نے اپنے سارے مصاحبوں مشیروں اور امراء کو اپنے پاس جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا کہ اس کا بھتیجا علاؤ الدین دیوگڑھ سے اس قدر مال و دولت اور ساز و سامان لے کر آ رہا ہے اس موقع پر مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اپنی جگہ پر خاموش رہنا چاہیے یا آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرنا چاہیے؟ بادشاہ کے اس استفسار پر پہلے سب نے مشورہ کیا پھر بادشاہ کو جواب دینے کے لئے ملک حبیب کا انتخاب کیا جو بادشاہ کے قریب تھا اور بادشاہ اس کی عزت بھی کیا کرتا تھا حبیب احمد سلطان جلال الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''سلطان محترم! مال و دولت اور لشکر کی کثرت ہمیشہ بغاوت اور سرکشی کا سبب

بنتی ہے یہ اچھی طرح ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے ملک چھجو کو بہلا پھسلا کر آپ کے خلاف بغاوت کھڑی کی آپ کی اطاعت سے منحرف کر دیا آج وہی لوگ علاؤالدین کے ارد گرد جمع ہیں اور ان ہی لوگوں کے مشورے سے علاؤالدین نے شاہی اجازت کے بغیر دکن کی مہم سر کی ہے۔ اس سلسلے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اب علاؤالدین کے کیا ارادے ہیں۔ تاہم اس موقع پر میں یہ مشورہ دوں گا کہ آپ اپنے لشکر کے ساتھ چندریری تک سفر کریں اور وہاں جا کر قیام کریں کیونکہ چندریری وہ مقام ہے جو علاؤالدین کے راستے میں آتا ہے دیوگڑھ سے وہ کڑہ کی طرف جائے گا تو چندریری کے پاس سے ہی گزرے گا۔

جب علاؤالدین کو شاہی لشکر کے آنے کی خبر ملے گی تو وہ کوئی غلط قدم نہیں اٹھائے گا اس لئے کہ اس کا لشکر دور دراز سرزمینوں کی مہم سر کر کے واپس آ رہا ہوگا اور سارا لشکر دولت اور مال و اسباب سے لدا پھندا ہوگا ہر لشکری گھر جانے کے لئے بے چین ہوگا، معرکہ آرائی سے ہر کوئی بیزار ہوگا نیز ہاتھیوں اور بار برداری کے سامان کی وجہ سے جلد سفر کرنا بھی ممکن نہ ہوگا ان حالات میں علاؤالدین کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آئے گا کہ وہ بادشاہ کے سامنے حاضر ہو اور جو مال و اسباب اور دولت وہ دیوگڑھ سے لا رہا ہے وہ سب بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دے۔“

حبیب احمد اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا پھر کہہ رہا تھا۔

”سلطان محترم! آپ کو چاہیے کہ نقد دولت اور ہاتھیوں کو خود قبول کر لیں کیونکہ یہ چیزیں شاہی لوازمات میں سے ہیں بقیہ تمام مال و اسباب اور اشیاء علاؤالدین کو بخش دینی چاہئیں اس کے بعد آپ کے لئے یہ مناسب ہوگا کہ وہ ملک چھجو اور

دوسرے فتنہ بردار لوگ جو اس وقت علاؤالدین کے گرد جمع ہیں علیحدہ کر دیئے جائیں اور ایسے لوگوں کو دور دراز کی سرزمینوں میں جلاوطن کر دیا جائے اور علاؤالدین کی جاگیر میں معقول انتظام کر کے اسے مطمئن کر دیا جائے۔

اس کے بعد سلطان محترم آپ کو چاہیے کہ علاؤالدین کو آپ کڑہ جانے کی اجازت دے دیں اور پسند کریں تو اپنے ساتھ دہلی میں لے جائیں لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ آپ کی بیوی اور علاؤالدین کی ناراضگی سب لوگوں میں مشہور ہے اس سلسلے میں آپ بھی باخبر ہیں اگرچہ یہ معاملہ کبھی بھی شاہی مجلس میں زیر بحث نہیں آیا لیکن شاہی خاندان کے ان دونوں افراد کی باہمی رنجش اب اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اسی بناء پر علاؤالدین خلجی دارالحکومت دہلی سے دور ہی رہتا ہے۔''

حبیب احمد مزید کہنے لگا۔

''سلطان محترم! آپ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی ناراض شخص سے غافل ہو کر اسے اس کی حالت پر چھوڑ دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے اگر بادشاہ نے اس معاملے کو معمولی بات سمجھ کر نظر انداز کر دیا اور اس کی اصلاح نہ کی اور دہلی واپس چلے گئے تو علاؤالدین اپنے خزانے، ہاتھیوں اور دیگر مال واسباب کے ساتھ جو شاہی لوازم ہیں کڑہ پہنچ گیا تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اس صورت حال میں یہ سمجھنا ہوگا کہ آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے زوال کی بنیاد رکھ دی ہے اور اپنے خاندان کی تباہی اور بربادی کا آغاز کر دیا ہے۔''

حبیب احمد جب خاموش ہوا تب سلطان جلال الدین خلجی کا ایک اور سالار فخر الدین کوچی سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابھی تک یہ بات پوری طرح پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچی کہ علاؤ الدین اس طرف آ رہا ہے اور یہ کہ اس کے پاس بہت سا مال و دولت اور اسباب ہے اس لئے جب تک ان معاملات کی پوری پوری تحقیق نہ ہو جائے اس وقت تک اس سلسلے میں غور و فکر کرنا بالکل بے کار ہے۔“

اور جب ان خبروں کی تصدیق ہو جائے تو ہم اپنے لشکر کے ذریعے اسے راستے ہی میں روک دیں گے کیونکہ علاؤ الدین نے بغیر شاہی اجازت کے دیوگڑھ پر حملہ کیا ہے اس لئے وہ ہماری لشکر کشی سے خائف ہو کر جہاں تک پہنچ گیا ہوگا وہیں سے پلٹ جائے گا اور جدھر منہ اٹھے گا وہیں جا کر قیام پذیر ہو جائے گا۔ اس برسات کے موسم میں اس کا تعاقب کرنا مناسب نہ ہوگا۔ لہٰذا وہ جہاں جائے اسے جانے دینا چاہیے مشہور مثل ہے کہ پانی تک پہنچنے سے پہلے جوتا نہیں اتارنا چاہیے ہمیں بھی اسی طرح عمل کرنے کی ضرورت ہے اگر علاؤ الدین مال و اسباب کے ساتھ کڑہ پہنچ گیا اور اس کی بد نیتی ثابت ہو گئی تو ہم ایک ہی حملے میں اس کا کام تمام کر کے رکھ دیں گے۔“

فخر الدین کوچی کے یہ الفاظ سن کر حبیب احمد بڑا خفا ہوا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

خدا کے لئے ضرورت سے زیادہ تن آسانی سے کام نہ لو ورنہ وقت ہم لوگوں کو دھوکہ دے جائے گا۔ مجھے سب سے پہلے تم یہ بتاؤ کہ جب علاؤ الدین بادشاہوں کی طرح شان و شوکت کے ساتھ کڑہ پہنچ کر لکھنوتی پر حملہ کرے گا تو کیا تم اس وقت اس کے مقابلے میں کامیاب ہو جاؤ گے؟“

ملک حبیب احمد کی یہ ساری باتیں سلطان جلال الدین خلجی بڑے غور سے سنتا رہا

اور اس کی باتوں کو اس نے ناپسند کیا اور اس سے رنجیدہ خاطر ہوا اور اسے خود غرض کے لقب سے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم تو ہمیشہ ہی علاؤ الدین سے بدگمان رہتے ہو۔ میں نے اسے اپنی آغوش میں پالا ہے اور ہمیشہ اسے اپنا بیٹا سمجھا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ میرے حقیقی بیٹے میرے مقابلے میں اتر سکتے ہیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ علاؤ الدین مجھ سے بغاوت کرے۔''

سلطان جلال الدین خلجی کی زبان سے یہ کلمات سن کر حبیب احمد بہت رنجیدہ ہوا اور بادشاہ کے پاس سے اُٹھ کر باہر چلا گیا۔

باہر نکل کر حبیب احمد نے سلطان جلال الدین کی حالت پر بڑا افسوس کیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا۔ ''یہ احمق بادشاہ خود ہی اپنے لئے گڑھا کھود رہا ہے خدا جانے اس کا کیا انجام ہو؟''

حبیب احمد کے اٹھ کر جانے کے بعد جلال الدین نے فخر الدین کوچی کی بہت تعریف کی اور ملک حبیب احمد کی تجویز پر عمل کرنے کے بجائے اس نے فخر الدین کوچی کا کہا مانا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ دہلی کی طرف کوچ کر گیا۔

ابھی جلال الدین خلجی دہلی پہنچا ہی تھا کہ کڑہ سے علاؤ الدین کا ایک خط آیا۔ اس خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

''میں اکتیس ہاتھی تمام قیمتی گھوڑے اور گراں قدر ساز و سامان جواہرات اور ریشمی کپڑے وغیرہ جو کہ دیوگڑھ سے میرے ہاتھ لگے ہیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

چونکہ میں ایک مدت سے حضور سے جدا ہوں۔ دوری اور راستوں کے بند

ہو جانے کی وجہ سے سلسلہ مراسلت بھی منقطع رہا ہے اس لئے میں اور میرے ساتھی شاہی عقاب کے خوف سے بڑے پریشان ہیں اگر سلطان خود اپنے قلم سے ایک فرماں میرے اور میرے ہمسفروں کے نام لکھ کر بھجوا دیں تو بڑی عنایت ہوگی۔ اس کے بعد میں بڑے شوق سے سلطان محترم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام مال اسباب اور دولت حضور کے قدموں میں پیش کر دوں گا۔"

جلال الدین خلجی نرم مزاج بادشاہ تھا علاؤ الدین کی سیاست کو سمجھ نہ پایا اس کے مکاری کے دام میں بری طرح پھنس گیا اور دوسری طرف علاؤ الدین خلجی سلطان بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ لکھنوتی جانے کی تیاری میں مصروف تھا اس نے اپنے ایک سالار ظفر خان کو اودھ بھیج کر کشتیاں مرتب کروانے کا کام شروع کروا دیا تھا علاؤ الدین کا ارادہ یہ تھا کہ جب سلطان جلال الدین خلجی کڑہ کے سفر کے لئے روانہ ہو تو وہ خود لکھنوتی پہنچ کر جلال الدین خلجی کی مخالفت کا اعلان کر دے گا۔



سلطان جلال الدین خلجی کو جب اپنے بھتیجے علاؤالدین خلجی کا خط ملا تو اپنی نرم مزاجی اور رحم دلی کی وجہ سے علاؤالدین کے خلاف جس قدر اس کے شکوے تھے جاتے رہے امراء نے علاؤالدین کے متعلق جن جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ بھی رفع ہو گئے۔

اس کے بعد جلال الدین نے علاؤالدین کی خواہش کے مطابق ایک محبت بھرا فرمان لکھ کر اپنے دو خاص خدام کے ہاتھ علاؤالدین کے پاس کڑہ شہر کی طرف روانہ کیا۔

یہ دونوں قاصد جب کڑہ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ علاؤالدین تو اپنے چچا جلال الدین کے خلاف بالکل باغی ہو رہا ہے اور اس کے تمام ساتھیوں کی حالت بھی اسی جیسی ہے وہ سب ہی جلال الدین خلجی کے خلاف ہو چکے تھے۔

ان قاصدوں نے کیونکہ کڑہ میں علاؤالدین خلجی اور اس کے سارے سالاروں کے ارادوں کو بھانپ لیا تھا، علاؤالدین خلجی کو خدشہ ہوا کہ واپس جا کر یہ اس صورت حال سے اس کے چچا سلطان جلال الدین خلجی کو آگاہ کر دیں گے لہٰذا علاؤالدین نے ان قاصدوں کو اپنے پاس روک لیا اور ان پر کڑا اور سخت پہرہ لگا دیا تاکہ جلال الدین خلجی تک کسی قسم کی اطلاع نہ پہنچ سکے۔

ان قاصدوں کے واپس نہ آنے کی وجہ سے جلال الدین خلجی اپنے بھتیجے علاؤ

الدین خلجی سے متعلق اصل حالات سے بالکل بے خبر رہا۔

اسی دوران علاؤ الدین خلجی کا بھائی الماس بیگ جو ان دنوں دہلی میں جلال الدین خلجی کے پاس ہی قیام کیے ہوئے تھا وہ علاؤ الدین خلجی کی ترجمانی کرتا رہا۔ الماس بیگ اپنے بھائی علاؤ الدین خلجی کی طرح ہی سلطان جلال الدین خلجی کا داماد بھی تھا۔ اپنے بھائی علاؤ الدین خلجی کی وکالت کرتے ہوئے یہ الماس بیگ سلطان جلال الدین خلجی کے دل میں اپنے بھائی علاؤ الدین کی محبت کے نقوش گہرے کرتا رہا۔ وہ بادشاہ سے بار بار کہتا۔

''سلطان سے علاؤ الدین خلجی کی ناراضگی بہت مشہور ہوئی ہے اس لئے مجھے خوف ہے کہ کہیں میرا بھائی ندامت کی وجہ سے خودکشی نہ کرلے اس لئے کہ سلطان کی اجازت کے بغیر وہ دیوگڑھ پر حملہ آور ہوا اور وہاں سے کوئی خط بھی اس نے سلطان کے نام ارسال نہ کیا اور وہ یہ بھی کہتا کہ یہ معاملہ خود علاؤ الدین کے نزدیک ایک بہت بڑا جرم ہے۔''

الماس بیگ کی ان باتوں کا بادشاہ پر بہت اثر ہوا۔ ان ہی دنوں علاؤ الدین خلجی کا ایک خط اپنے بھائی الماس بیگ کے نام دہلی پہنچا جس میں اسی قسم کے خیالات بیان کیے گئے تھے اس نے خط میں لکھا تھا۔

''مجھ پر بادشاہ کے اس قدر احسانات ہیں کہ اگر میں انہیں لکھنا بھی چاہوں تو لکھ نہیں سکتا بادشاہ میرا چچا ہی نہیں بلکہ باپ بھی ہے اور میری جان کا مالک بھی ہے بادشاہ کی ناراضگی کی وجہ سے زندگی میرے لئے ایک عذاب بن کر رہ گئی ہے اگر تمہیں یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا ہو کہ بادشاہ میری جان کا دشمن ہے اور مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو

فوراً مجھے لکھوتا کہ میں زہر کھا کر اپنی زندگی خود ختم کرلوں یا کسی دوسرے ملک کی طرف چلا جاؤں۔"

علاؤالدین خلجی اور الماس بیگ خلجی دونوں بھائی آپس میں ملے ہوئے تھے اور اپنے چچا جلال الدین کے خلاف انہوں نے اتحاد بنالیا تھا علاؤ الدین کا خط آیا تو الماس بیگ نے یہ خط جلال الدین خلجی کو دکھایا اور ایسی خوشامدانہ گفتگو کی کہ سلطان جلال الدین کو علاؤالدین کے خط کی تحریر پر پورا یقین آ گیا۔

اس دوران علاؤ الدین خلجی نے ایک اور خط پوشیدہ طور پر اپنے بھائی الماس بیگ خلجی کے نام لکھا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

"اگر بادشاہ دولت حاصل کرنے کے لالچ میں گرفتار ہو کر کسی طرح تنہا ادھر چلا آئے تو ہمارا کام بن جائے۔"

الماس بیگ خلجی کو جب اپنے بھائی علاؤ الدین خلجی کا یہ خط ملا تو وہ فوراً سلطان جلال الدین خلجی کی خدمت میں حاضر ہوا اور مصنوعی انداز میں روتے ہوئے اپنی آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے وہ جلال الدین خلجی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"بہتر یہی ہے کہ حضور اکیلے ہی کڑہ کا سفر اختیار فرمائیں اور اس سے پہلے کہ میرا بھائی خودکشی کر لے یا کسی دوسرے ملک میں چلا جائے آپ وہاں پہنچ کر اسے سمجھائیں، تسلی دیں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو ہم جانثار پہلے سے بھی زیادہ آپ کے ممنون احسان ہوں گے۔"

سلطان جلال الدین خلجی جو بھولا بھالا رحم دل تھا وہ الماس بیگ کی باتوں میں آ گیا۔ غور و فکر اور کسی سے مشورہ کیے بغیر ہی اس نے الماس بیگ سے کہا جلد از جلد کڑہ

پہنچ جاؤ اور میری طرف سے علاؤ الدین کو دلاسہ دو اور اطمینان دلاؤ۔ تم اسے خودکشی کرنے نہ دینا اور نہ ہی کسی اور ملک میں جانے دینا تم کڑہ پہنچو میں بھی جلد از جلد تمہارے پیچھے پیچھے پہنچوں گا۔"

الماس بیگ سلطان جلال الدین کا یہ حکم ملنے کے ساتھ ہی اسی وقت چند سواروں کے ساتھ دہلی سے کڑہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ کڑہ پہنچ کر دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوئی الماس بیگ نے علاؤ الدین کو مبارک باد دی کہ خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ ہمارے تیر نشانے پر بیٹھے ہیں۔ الماس بیگ نے کڑہ پہنچ کر جب سلطان جلال الدین کی پوری کیفیت علاؤ الدین سے کہی تو علاؤ الدین کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی اس نے الماس بیگ سے مشورہ کیا اور دونوں بھائیوں کے درمیان یہ طے پایا کہ سلطان جلال الدین خلجی مال و دولت کے لالچ میں ضرور اکیلا ہی یہاں آئے گا۔ مناسب یہی ہے کہ سب سے پہلے سلطان کا کام تمام کر دیا جائے اور جب سلطان کے مارے جانے کے بعد اس کا بڑا بیٹا ارکلی خان تخت نشین ہو کر ملکی انتظامات کی طرف متوجہ ہو گا تو ہم دونوں بھائی لکھنوتی پر لشکر کشی کر کے بنگال پر قبضہ کرلیں گے اس کے بعد اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرتے ہوئے دہلی کا رُخ کریں گے اور تخت و تاج کے مالک بن جائیں گے۔

سلطان جلال الدین خلجی جس کی زندگی پر اب موت کے سائے منڈلانے لگے تھے وہ علاؤ الدین اور اس کے بھائی الماس بیگ کی باتوں میں آ کر بری طرح حواس باختہ تھا۔ اس نے کسی امیر مشیر یا سالار کی رائے کی پرواہ نہ کی اور کڑہ کے سفر کا پورا ارادہ کرلیا۔

سلطان جلال الدین خلجی کو دراصل یہ خدشہ بھی تھا کہ اگر علاؤ الدین کہیں اور چلا گیا تو اس کے پاس جو دولت مال اور زر و جواہرات ہیں وہ سب اپنے ساتھ لے جائے گا اور ان میں سے کوئی بھی چیز دہلی پہنچ کر شاہی خزانے میں جمع نہ کرائی جا سکے گی چنانچہ سلطان جلال الدین خلجی صرف پانچ سو سواروں کو ساتھ لے کر کشتیوں کے ذریعے علاؤ الدین خلجی کی طرف روانہ ہوا۔

روانگی کے وقت اس نے اپنے قابل اعتماد سالار احمد حبیب کو یہ حکم دیا کہ وہ لشکر کو لے کر خشکی کے راستے کڑہ پہنچے۔

علاؤ الدین کو جب سلطان جلال الدین خلجی کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے دریائے گنگا کے پار اتر کر مانک پور کے مقام پر اپنے لشکر کے ساتھ ڈیرے ڈالے۔

رمضان کی سترہ تاریخ کو سلطان جلال الدین خلجی، علاؤ الدین خلجی اور الماس بیگ کو نظر آیا۔ سلطان کو دیکھ کر علاؤ الدین کے لشکر نے بظاہر شان شوکت کے اظہار اور سلطان جلال الدین خلجی کا استقبال کرنے کے لئے اپنے آپ کو مسلح کرنا شروع کیا ہاتھیوں اور گھوڑوں کو تیار کرنا شروع کر دیا لیکن باطن میں ان کا کوئی اور ہی مقصد تھا۔

علاؤ الدین خلجی نے اپنے بھائی الماس بیگ کو سلطان جلال الدین خلجی کے استقبال کے لئے روانہ کیا اور اسے ہدایت دی کہ جس طرح بھی ممکن ہو سلطان کو اس کے ساتھیوں سے الگ کر کے تنہا کنارے پر لایا جائے۔

علاؤ الدین کے کہنے پر الماس بیگ اسی وقت روانہ ہوا اور بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور کہنے لگا۔

"اگر میں کڑہ میں ایک دن کی بھی تاخیر سے پہنچتا تو علاؤ الدین خودکشی کر چکا

ہوتا۔ میں نے یہاں آ کر اسے اچھی طرح سمجھایا لیکن ابھی تک اس کے دل میں خوف باقی ہے ہوسکتا ہے وہ آپ کے ساتھ آپ کے ان ساتھیوں کو دیکھ کر فرار ہو جائے اور کسی دوسری جگہ چلا جائے۔"

الماس بیگ کے یہ الفاظ سن کر سلطان جلال الدین نے کشتیوں میں سوار جو اپنے ساتھی تھے انہیں کشتیوں ہی میں رہنے کا حکم دیا اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ الماس بیگ کے ساتھ کشتی میں ہی آگے بڑھا۔

الماس بیگ نے ایک دوسری چال چلی اور کہنے لگا۔

"اب آپ علاؤالدین خلجی کے بالکل قریب آ گئے ہیں وہ سامنے ہی کھڑا ہے میرے خیال میں وہ آپ کو دیکھ کر لرز کانپ رہا ہوگا اس لئے بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے چند مسلح مصاحبوں کو بھی علیحدہ کر دیں۔ ورنہ علاؤالدین ان لوگوں کو آپ کے ساتھ دیکھ کر اپنے لئے خطرے کا گمان کر کے آپکی عنایات سے مایوس ہوسکتا ہے۔"

یہ سن کر سلطان نے اپنے ساتھیوں کو ہتھیار اتار دینے کا حکم دیا جب آگے بڑھے تو جلال الدین اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ علاؤالدین ہتھیار بند ہو کر استقبال کے لئے آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ مسلح جوان بھی تھے اس موقع پر جلال الدین خلجی کے مصاحبوں کو علاؤالدین کے ارادوں کی خبر ہوگئی تھی اور وہ الماس بیگ کے مکروفریب سے پوری طرح واقف ہو گئے تھے لہٰذا اس موقع پر جلال الدین خلجی کے ایک جانثار امیر ملک خرم نے الماس بیگ کو مخاطب کر کے کہا۔

"ہم لوگ تمہاری خواہش کے مطابق یہاں تک بالکل نہتے آئے ہیں اور ہم نے اپنے تمام ہتھیار اتار ڈالے ہیں لیکن تم سب لوگ مسلح ہو اور لڑائی کے لئے تیار

معلوم ہوتے ہو۔"

خرم کے جواب میں الماس بیگ کہنے لگا۔

"میرے بھائی کی یہ خواہش ہے کہ وہ اپنے لشکر کو آراستہ اور مسلح کر کے سلطان کے معائنے کے لئے پیش کرے اور خود حاضر خدمت ہو کر آداب بجالائے۔"

ان سب باتوں کو دیکھ کر بھی جلال الدین خلجی پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ علاؤالدین خلجی اور الماس بیگ دونوں پر آنکھیں بند کر کے اعتماد اور بھروسہ کرتا رہا اور جب موت آتی ہے انسان ویسے ہی عقل کا اندھا ہو جاتا ہے۔

اس موقع پر الماس بیگ پوری چالاکی اور عیاری سے کام لے رہا تھا اور اس کی اس چالاکی اور عیاری کو جلال الدین خلجی سمجھ نہ سکا تھا۔ کہتے ہیں اس موقع پر سلطان جلال الدین خلجی نے شکایت آمیز انداز میں یہ جملہ کہا تھا۔

"میں تو اس قدر دور دراز کا سفر طے کر کے آیا ہوں ساتھ ہی میں روزے سے بھی ہوں اور علاؤالدین سے ملنے آرہا ہوں لیکن اس سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ کشتی میں بیٹھ کر تھوڑی دور تک میرے استقبال کے لئے ہی آجاتا۔"

جلال الدین خلجی کے جواب میں عیار الماس بیگ کہنے لگا۔

"میرا بھائی یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ خالی ہاتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہو اس کی خواہش ہے کہ بیش قیمت ساز و سامان گراں قدر جواہرات اور قیمتی گھوڑے اور ہاتھی لے کر آپ کی پابوسی کا شرف حاصل کرے علاؤالدین نے آپ کے لئے افطار کا اہتمام بھی کیا ہے اور اسے توقع ہے کہ آپ اپنی بزرگانہ شفقتوں سے نواز کر علاؤالدین کے پاس روزہ افطار کریں گے تا کہ یہ اعزاز حاصل کر کے وہ اپنے ساتھیوں

میں فخر کے ساتھ سر اونچا کر سکے۔“

کشتی میں بیٹھے ہی بیٹھے الماس بیگ اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ جلال الدین خلجی ساحل پر اس جگہ آیا جہاں علاؤ الدین خلجی اپنے لشکر کے ساتھ موجود تھا۔ کہتے ہیں جس وقت کشتی کنارے پر پہنچی اس وقت سلطان جلال الدین خلجی قرآن مقدس کی تلاوت کر رہا تھا عصر کا وقت تھا کشتی کنارے سے لگی سلطان جلال الدین خلجی کشتی سے اترا۔ علاؤ الدین نے آگے بڑھ کر سلطان کا استقبال کیا اور اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔

جلال الدین نے پیار سے اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگائی اور بڑے لطف آمیز لہجے میں کہنے لگا۔

”میں نے تجھے بڑے پیار اور لاڈ سے پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے اور اپنے حقیقی بیٹوں سے زیادہ تجھے عزیز رکھا۔ تیرے بچپن کی بو ابھی تک میرے کپڑوں سے نہیں گئی پھر بھلا تیرے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہو گیا کہ میں تیرے خلاف ہوں اور تیرا برا چاہتا ہوں۔“

یہ کہہ کر جلال الدین نے علاؤ الدین کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر آگے بڑھا۔

علاؤ الدین نے اس موقع پر ان لوگوں کو اشارہ کیا جنہیں اس نے سلطان جلال الدین کا کام تمام کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ سامانہ شہر کے رہنے والے ایک ذلیل لشکری نے جس کا نام محمود بن سالم تھا آگے بڑھ کر سلطان جلال الدین پر تلوار کا ایک وار کیا۔ سلطان جلال الدین بوڑھا ہونے کے باوجود بڑا حوصلہ مند دلیر اور شجاع تھا۔ تلوار کا وار کھا کر بھی سہہ گیا اور جوانوں کی طرح کشتی کی طرف دوڑا ساتھ ہی کہنے لگا۔

''اے بد بخت علاؤالدین تو نے یہ کیا کیا!''

ابھی سلطان جلال الدین خلجی کشتی تک پہنچا بھی نہ تھا کہ علاؤالدین خلجی کا ایک اور سردار اختیارالدین اس کی طرف لپکا۔ حالانکہ اختیار الدین پر سلطان جلال الدین کی بڑی مہربانیاں تھیں لیکن وہ بھی نمک حرامی پر اترا ہوا تھا۔ اختیارالدین نے بادشاہ کو پچھاڑ کر اس کا سر کاٹ لیا اس وقت سورج غروب ہونے کے قریب تھا بادشاہ کا سر لے کر اختیار الدین علاؤالدین کی خدمت میں حاضر ہوا سلطان جلال الدین خلجی کے وہ ہمراہی اور ساتھی جو کشتی میں اس وقت بیٹھے ہوئے تھے انہیں بھی علاؤالدین خلجی کے مسلح جوانوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

سلطان جلال الدین خلجی کو قتل کرنے کے بعد قاتلوں نے جلال الدین کے سر کو نیزے پر لٹکا کر کڑہ اور مانک پور کی گلیوں میں اس کی تشہیر کی اور پھر وہاں سے اودھ لے گئے گویا یہ قاتل لوگوں کو سلطان جلال الدین خلجی کا کٹا ہوا سر دکھا کر یہ کہنا چاہتے تھے کہ ایسے شخص کی یہی سزا ہے جو اس بے وفا دنیا پر فدا ہو، اولاد اور رشتہ داروں سے قوت حاصل کر کے ہزاروں مشکلوں سے ان کی دیکھ بھال کرے اور اپنا خون جگر پلا پلا کر ان کو پالے پوسے۔

اور پھر جو شخص ہزار ہا تمناؤں کے ساتھ لالچ اور حرص کی زمین میں پھولوں کا بیج بوتا ہے وہ پھول کی جگہ کانٹے ہی چنتا ہے اور جو شخص بھی اس دنیا سے نیکی کی امید رکھتا ہے اس کی آنکھوں میں جفاؤں اور بے وفائیوں کی دھول جھونکی جاتی ہے جو شخص اپنے ہاتھوں سے برائی کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے وہ ایک لمحے کے لئے بھی آرام سے سو نہیں سکتا۔ ایسا شخص سوئے ہوئے فتنے جگا کر اپنی دنیا اور آخرت دونوں ہی برباد

کر لیتا ہے۔

بہر حال سلطان جلال الدین خلجی کا تاج علاؤالدین خلجی کے سر پر چلا گیا اس کی تخت نشینی کی منادی کرادی گئی۔ علاؤالدین خلجی کے تمام ساتھی جو جلال الدین کے قتل کی سازش میں شریک تھے بہت جلد اس خونِ ناحق کی سزا میں بری طرح موت سے ہمکنار ہوئے۔

وہ سردار جو سلطان جلال الدین کے قتل میں براہ راست ملوث تھے ان میں ایک محمود بن سالم دوسرا اختیار الدین تیسرا الماس بیگ اس کے علاوہ کچھ اور بھی تھے۔

جہاں تک محمود بن سالم کا تعلق ہے تو ایک سال کے بعد وہ کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہوا۔ اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتا رہا اس طرح وہ ختم ہو گیا۔

اختیار الدین جس نے سلطان جلال الدین خلجی کا سر کاٹا تھا وہ پاگل ہو گیا اور اپنے ہوش حواس بالکل کھو بیٹھا اس کی یہ کیفیت ہو گئی کہ بدحواسی کے عالم میں زور وشور سے چلایا کرتا تھا۔

''جلال الدین ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے میرا سر کاٹ رہا ہے مجھے بچاؤ۔'' علاؤالدین خلجی کا بھائی الماس بیگ اور دوسرے مجرم بھی تین چار سال کے اندر اندر تباہ و برباد ہو کر رہ گئے اور ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ سلطان جلال الدین خلجی کے بعد بظاہر علاؤالدین خلجی ہندوستان کا سلطان بنا اگرچہ کچھ عرصہ تک وہ بڑے عیش وعشرت سے زندگی بسر کرتا رہا لیکن آخر کار وہ باطنی طور پر ایک کرب اور ایک عذاب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس کا خاندان خود اس کے ہاتھوں تباہ برباد ہوا اس نے اپنے بھائیوں اور بیٹوں وغیرہ کو نظر بند کر دیا اور اپنے قابل اعتماد ہمراہیوں اور درباریوں کو موت کے

گھاٹ اتار دیا۔ علاؤ الدین خلجی کے ملازموں اور غلاموں نے علاؤ الدین کی زندگی ہی میں اس کے بیٹوں اور اہل خاندان وغیرہ پر جو ظلم و ستم ڈھائے ان کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

جلال الدین خلجی کے بعد ہندوستان کا حکمران بننے کے بعد علاؤ الدین خلجی نے سلطان جلال الدین خلجی کی اولاد سے بڑا برا سلوک کیا۔ سلطان جلال الدین خلجی کے دونوں بیٹوں اور داماد الغو خان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر کر انہیں اندھا کر دیا گیا۔ ملک حبیب احمد جس نے ساری عمر سلطان جلال الدین خلجی سے وفاداری کی تھی اور جانثاری کا ثبوت دیا تھا اسے بھی آنکھوں سے محروم کر دیا گیا۔ جلال الدین خلجی کے دونوں بیٹوں کو بصارت سے محروم کرنے کے بعد پھانسی کے قلعے میں قید کر دیا گیا۔ سلطان جلال الدین کے بڑے بیٹے ارکلی خان کے دو بیٹے تھے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جبکہ سلطان جلال الدین کے وفادار امیر ملک حبیب احمد سلطان، جلال الدین خلجی کی بیوی اور ان کے بیٹوں کی بیویوں کو دہلی کے زندان میں ڈال دیا تھا۔ اس طرح علاؤ الدین خلجی اپنے ہی محسن اور مربی اپنے ہی چچا اور سسر کا خاتمہ کرنے کے بعد ہندوستان کا سلطان بن بیٹھا تھا۔

